عشق عورت اور عنکبوت

ناول

گل ارباب

عشق، عورت اور عنکبوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

''ارے۔۔ارے میڈم! کہاں گھسی آرہی ہیں؟ یہ اتنا بڑا بڑا لکھا ہوا نظر نہیں آرہا ہے غیر متعلقہ لوگوں کا داخلہ منع ہے۔۔۔صرف مریض اندر آسکتے ہیں اور بصد مجبوری مریض کے ساتھ صرف ایک تیماردار کی اجازت ہے۔'' وہ جو کوئی بھی تھا خاصے بگڑے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔۔اور اسے سب کچھ برداشت ہو جاتا تھا لیکن بدتمیزی برداشت سے باہر کا وار لگتی جس کی جوابی کارروائی وہ ہمیشہ تیار رکھتی تھی۔

''اے مسٹر آئیں بائیں شائیں۔۔۔ذرا تمیز سے بات کرو میں سارا عزیز خان ہوں شگفتہ عزیز خان کی بیٹی۔۔۔اور میں کوئی میڈم شیڈم نہیں ہوں نہ میں نے موٹے موٹے شیشوں والا چشمہ لگا رکھا ہے اور نہ ہی بال کھینچ کر جوڑا بنایا ہوا ہے۔۔۔پھر آپ مجھے میڈم کیسے کہہ رہے ہو؟'' وہ سانس لینے کو رکی ''اور.... آپکی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میری ماں اندر ہیں اس لیے اس بدبودار ماحول میں کھڑی ہوں۔۔۔سمجھے آپ؟

اس نے اپنی منی سی ناک چڑھا کر وہ تاثرات دیئے جو کھلے ہوئے گٹر کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ لوگ دیتے ہیں جن کے پاس ناک پہ رکھنے کے لیے رومال نہیں ہوتا۔اس سے پہلے کہ وہ اس لڑکی کو کوئی جواب دیتا وہ

ایک ہاتھ کمر پہ ٹکا کر سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی
''اور آپ کو میرے ماتھے پہ کیسے یہ لکھا نظر آ گیا ہے کہ میں غیر متعلقہ لوگوں میں شامل ہوں؟ ارے کہانا کہ۔۔۔سارا عزیز خان ہوں'' اس نے غصیلے انداز میں اپنا تعارف کروا کریوں آخری جملہ بولا جیسے کہہ رہی ہو۔۔مجھے نہیں پہچانتے؟ میں قطرینہ کیف ہوں یا ریحام خان۔۔
وہ منہ کھولے اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ سارا عزیز خان یا شگفتہ عزیز خان کون ہو سکتی ہیں؟ یہ دو نام کہیں ٹی وی یا اخبارات میں سنے یا پڑھے تو نہیں ہیں۔۔باوجود ذھن پر زور ڈالنے کے جب کچھ یاد نہ آیا تو اسے اپنی کم فہمی پہ ہلکی سی شرمندگی بلکہ ملال ہوا۔
''اور کیا بدھوؤں کی طرح ٹکر ٹکر گھورے جا رہے ہیں؟ مسٹر گھورو! ہٹیں رستے سے ورنہ____''
سارا۔۔۔نے تیز لہجے میں بات ختم کرتے ہوئے ادھر ادھر یوں دیکھنا شروع کیا جیسے اکثر اوقات ماں اس کی کسی بے وقوفی پہ شدید غصے میں مارنے کے لیے کوئی چیز ڈھونڈتی تھیں لیکن ہمیشہ اس میں ناکام ہو جاتی تھیں۔۔کہتیں۔''سارو کی بچی کوئی چیز ایسی بھاری بھر کم ملتی ہی نہیں کہ جس سے تمہاری چھترول کر سکوں۔'' جبکہ وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ۔۔۔انہیں سمیت پھولوں کے کوئی چیز ایسی ہلکی ملتی ہی نہیں تھی کہ جس سے اپنی لاڈلی کو مار بھی لیں اور اسے تکلیف بھی نہ ہو۔
''۔ہیں؟'' اس نے اس لڑکی کے حالیہ اور سابقہ الفاظ پہ غور کیا تو بے ساختہ پوچھ بیٹھا ''سنیں! آئیں، بائیں اور شائیں، یہ۔۔تینوں کون ہیں؟ اور گھورو! یہ کس کا نام ہے اور یہ سب کہیں ہیں جن کو آپ پکار رہی ہیں؟'' وہ بھی ادھر ادھر کچھ دیکھنے لگا جیسے کسی گمشدہ کو ڈھونڈنے کی کوشش کی جاتی ہے۔
''یہ تین چار لوگوں کے نہیں بلکہ ایک ہی انسان کا نام ہے۔۔اور وہ انسان آپ ہیں۔'' اس کی اطلاع پہ وہ پورا منہ کھول کر ہنسنے لگا تھا وہ اسے ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بنا دیکھ کر جلے بھنے انداز میں بولی۔'' لگتا ہے کسی نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ۔۔اگر غلطی سے کوئی آپ کو انسان کہہ دے یا سمجھ لے تو آپ فوراً ہی کارٹون بن کر شرمندہ نہ کر دیا کریں اگلے کو اپنی غلط بیانی پہ۔۔۔۔وہ جلدی سے گھبرا کر منہ بند کر چکا تھا۔'' مجھے نہیں تھا پتہ کہ آپ کو پہلی بار کسی نے انسان کہا ہے۔۔کیونکہ اس اعزاز کے ملنے کی خوشی آپ سے برداشت نہیں ہو رہی۔'' سارا نے طنز کیا۔

''ارے نہیں مس سارا عزیز خان! میری شکل پہ فرشتوں کی سی معصومیت تو ضرور ہے لیکن کسی عقل کے اندھے نے مجھے بوجہ جیلسی فرشتہ کہا پھر بھی نہیں۔۔۔ سو مجھے اتنا تو ادراک ہے کہ میں انسان ہی ہوں۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ لیکن آپ پہ ضرور کسی اور چیز کا گمان ہو رہا ہے۔'' اب کہ وہ بھی اسے بخشنے کے موڈ میں نہیں لگ رہا تھا۔

''اے مسٹر آئیں بائیں شائیں! مجھے پتہ ہے کہ ابھی آپ نے لوفر لڑکوں کی طرح فلمی انداز میں سینے پہ ہاتھ رکھ کر مجھے پریوں کی رانی کہنا ہے۔۔۔ سو میں پہلے سے ہی بتا دوں کہ مجھے مسکہ بازی پسند نہیں۔۔۔ نہ ہی مجھے خواہ مخواہ کا سراہا جانا اچھا لگتا ہے بلاشبہ مجھے دیکھ کر ہر بندے کی آنکھیں تعریفی انداز میں پھیل جاتی ہیں اور منہ حیرت سے کھل جاتا ہے لیکن میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیتی ہوں۔۔۔ سو مجھے بھی انسان رہنے ہی دو۔۔۔ پریوں کی رانیوں کو خوش نہ کرو۔''

اس کے انداز میں غرور کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔۔۔ اور سارا کی اس خوش فہمی پہ واقعی اس کی آنکھوں میں سے حیرانگی اور کھلے منہ میں سے چمکتے سفید دانت جھانکنے لگے تھے اس نے بغور سر سے پیر تک اک گہری نظر اس کے سراپے پہ ڈالی ایسا بھی ملکوتی حسن نہیں تھا کہ بندہ مسحور سا اسے دیکھتا رہتا بلکہ حسن تو سرے سے تھا ہی نہیں اس میں۔۔۔ یا اسے نظر نہیں آیا تھا۔۔۔ غور کرنے پہ بھی۔۔۔ کوئی ایسی خوبی نظر نہ آئی جس پہ کہا جاتا کہ غرور اور نخرہ اس لڑکی پہ بجتا بھی ہے۔

''ارے ارے خوش فہمیاں تو دیکھیں ان بی بی کی میں آپ کو انسان نہیں بلکہ وہ سمجھ رہا ہوں۔۔'' اس نے بھی جواباً جلے بھنے انداز میں کہا وہ الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

''کیا سمجھتے ہیں؟'' انداز سوالیہ تھا۔۔۔ وہ بغور اس کے پاؤں کی طرف دیکھنے لگا تھا خوبصورت سفید انگوٹھے والے چپلوں میں سے جن میں سفید موتی لگے ہوئے تھے اس کے گلابی پاؤں یوں چمکتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے کہ جیسے ٹی وی پہ اکثر پھٹی ایڑیوں والی کریم کے اشتہار میں ہیروئن کے پاؤں لشکارے مارتے ہیں بلکہ لش لش کرتے ہیں۔ ''کیا!!!!؟'' وہ چلائی۔۔۔ مجھے چھل پیری کہا آپ نے؟'' غصے سے لال پیلی ہوتی اس لڑکی کو اب وہ اطمینان سے مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا دل میں جیسے ٹھنڈی پڑ گئی تھی اس کا لال چہرہ دیکھ کر

۔۔ ”قسم سے میں نے تو لحاظ کر کے منہ پہ نہیں کہا۔ بلکہ اک اشارہ ہی دیا ہے۔لیکن آپ میں اور کوئی خوبی ہو نہ ہو۔۔۔خود شناسی کمال کی ہے۔۔خود ہی کہہ دیا نکھل پیری!“ وہ طنزیہ انداز اپنائے ہوئے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔”چلو مجھ میں کوئی تو خوبی ہوگی۔آپ میں تو کوئی خوبی نہیں۔۔خود شناسی کی بھی نہیں۔“ کبھی خود کو فرشتہ نما سمجھتے ہیں کبھی انسان۔“ حالانکہ مجھ سے اپنی تعریف پوچھیں تو کچھ بھی نہیں۔۔فقط مسٹر آئیں بائیں شائیں۔“ وہ چڑانے والے انداز میں بولی۔۔۔وہ دونوں۔۔جنرل آئی سی یو کے دروازے پہ کھڑے تھے۔“ وہ باہر نکل رہا تھا جبکہ سارا اندر جا رہی تھی۔”اللہ رحم فرمائے۔۔۔جھگڑالو عورتوں سے میں دور بھاگتا ہوں۔۔۔یہاں کیوں کھڑی ہیں کیا آپ کی والدہ ایڈمیٹ ہیں؟“ وہ خلاف مزاج اسے ترکی بہ ترکی جوابات تو دے رہا تھا لیکن اس خیال سے کہ موصوفہ کی والدہ علالت کے باعث اندر ایڈمیٹ ہیں اس کا لہجہ کچھ نرم ہوا۔”ارے ارے__ آپ کے منہ میں دھول مٹی۔۔خدا نہ کرے کہ میری ماں بیمار ہوں۔۔۔وہ تو میری دوست کی نانو کو دیکھنے اندر گئی ہیں۔“ اس نے تیکھے انداز میں وضاحت کی۔”اور یہ جھگڑالو عورت کسے کہا آپ نے۔۔۔ہاں؟“ اب وہ باقاعدہ آستینیں چڑھانے لگی تھی اور کمزور نظر رکھنے والا بھی اسے اس حالت میں دیکھ کر جھگڑالو عورت ہی سمجھتا۔۔۔وہ تو کافی گہری نظر رکھتا تھا۔۔۔اس سے پہلے کہ سارا کے تیوروں کے عین مطابق گھمسان کا رن پڑتا وہ اس کے خطرناک تاثرات دیکھ کر تیزی سے سر کھجاتے ہوئے۔۔پوچھ بیٹھا۔”اچھا اس بات کی وضاحت کر دیں کہ میرے منہ میں دھول مٹی کیوں؟“”صرف دھول مٹی نہیں بلکہ ان کے بعد صرف ایکسل بھی۔۔کیونکہ دھول مٹی کے بعد صفائی بھی ضروری ہے۔۔اور پھر آپ توتھ پیسٹ کے اشتہار کے بعد جس اشتہار میں کام کریں گے اس میں فخریہ منہ پھاڑ کر ہنستے ہوئے کہہ سکیں گے۔”داغ تو اچھے ہوتے ہیں۔“ وہ کافی لڑاکا قسم کی لڑکی لگ رہی تھی اور ڈاکٹر ولید حسن کو لڑاکا بلکہ پٹاخہ قسم کی لڑکیوں سے شدید ترین چڑ تھی ہمیشہ سے وہ ایسی لڑکیوں سے پناہ مانگتا تھا۔۔”سر ڈاکٹر احمد آپ کو بلا رہے ہیں۔“ ایک نرس نے دزدیدہ نظروں سے ان دونوں کے تاثرات دیکھتے ہوئے اچانک آ کر اسے پیغام دیا تو وہ اندر سے نکلتی اپنی والدہ سے بات کرتے کرتے حیرت کے مارے ایک پل تو ساکت سی کھڑی رہی۔۔لیکن دوسرے ہی لمحے پوری کی پوری مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔”ہیں؟ ڈاکٹر۔۔؟ ارے مسٹر آئیں بائیں شائیں! مجھے تو ان مریضوں کی قسمت پہ افسوس ہو رہا ہے بلکہ ترس بھی آ رہا ہے۔۔۔آپ

کو دیکھ کر تو بیماری کے ساتھ ساتھ یہ افسوس بھی انہیں کھا جاتا ہو گا کہ زندگی میں ایسا کون سا گناہ کیا ہے کہ ایسے ڈاکٹر کے رحم و کرم پہ پڑے ہیں۔" باہر نکلتی مما نے اس کی بات سنی تو اسے تنبیہی انداز میں گھورا۔" یہ کیا فضول بات کی ہے تم نے۔۔۔یہ ڈاکٹر ولید حسن ہیں انچارج ہیں آئی سی یو کے اور ماشاء اللہ سے بہت قابل ڈاکٹر ہیں اماں جی بہت تعریف کر رہی تھیں بیٹا! آپ کی۔" انہوں نے اس سمارٹ اور دراز قد سے لڑکے کو شفقت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔" اور تم تو گھر چلو نا بیٹا جی۔۔۔" ماں کا چبا چبا کر بولنے کا انداز بتا رہا تھا کہ انہیں اس بدتمیزی بلکہ بچگانہ انداز پہ بہت غصہ آیا ہوا ہے۔۔لیکن وہ مما کے غصے سے بالکل بھی نہیں ڈرتی تھی۔۔اور اس کی وجہ اکلوتی اور لاڈلی بیٹی ہونے کا غرور تھا۔وہ زیادہ سے زیادہ گھر جا کر دو چار سنا ہی دیں گی۔۔ میں کیوں دل کے ارمان دل میں رکھوں؟ اس نے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا اور دل کی۔ہی مانتے ہوئے منہ کھولا۔" مما جانی اس شہر کا یہ سب سے بڑا ہاسپٹل ہے اور اسی ہاسپٹل کا یہ جنرل آئی سی یو ہے۔۔۔اب حادثے تو کسی کو بتا کر رونما نہیں ہوتے۔۔۔فرض کریں کہ اگر مجھے کبھی خدانخواستہ کچھ ہو جائے تو پلیز آپ سے درخواست ہے کہ بے شک کسی کمپاؤڈر کے کلینک میں لے جایئے گا لیکن اس ڈاکٹر کے پاس نہ لایئے گا آدھی موت تو ان کی صورت دیکھ کر بندے پہ آ جاتی ہے اور باقی آدھی ان کی باتیں سن کر۔۔اب بندہ سکون سے مرے بھی نا؟ قسم سے اندر لیٹے مریضوں پہ مجھے ترس آ رہا ہے جن کا علاج ایسا سڑیل ڈاکٹر کرے گا وہ بچ بچا بھی گئے تو باقی زندگی ان ڈاکٹر صاحب کی شکل خوابوں میں آ کر انہیں ڈراتی رہے گی جسمانی مرض تو ٹھیک بھی ہو جائے مگر روحانی اور نفسیاتی بیماریوں سے کیسے شفایاب ہوں گے بیچارے مریض؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے جلی کٹی سنا چکی تو تھوڑا سا ڈرتے ڈرتے مما کی طرف دیکھا جن کے چہرے کے تاثرات چیخ چیخ کر یہ کہہ رہے تھے کہ بیٹا گھر پہنچو اب کہ نہ ہلکی چیز ڈھونڈوں گی نہ بھاری چیز۔۔لیکن چھتر ول تو تمہاری پکی ہے۔" سوری بیٹا اس بدتمیزی کے لیے میں معافی چاہتی ہوں۔" انہوں نے کوئی جواب دینے کے لیے منہ کھولتے غصے میں لال پیلے ہوتے ولید حسن کی طرف دیکھ کر معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔۔۔اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئیں۔" یہ تمہیں کون سی بیماری لگی ہوئی ہے جگہ بے جگہ اچھے بھلے لوگوں سے پنگا لینے کی؟ تم بہت بگڑ گئی ہو۔۔۔ مجھے اس بچے کے سامنے خواہ مخواہ شرمندہ کرا دیا کیا ملا تمہیں اتنی بکواس کر کے؟" وہ بہت غصے میں تھیں سارا منہ

بسورے گاڑی سے باہر دیکھتی رہی۔۔۔گھر پہنچ کر ماں سے لپٹ کر سوری ہی تو کرنی تھی اور پکی والی جپھی کے ساتھ ہی اک زور کی پپی۔۔۔بس پھر مما کا غصہ ہوا میں یوں غائب ہو جاتا جیسے۔۔۔کمرے کے کھلے دروازے سے مچھر مار سپرے کی تاثیر غائب ہو جاتی ہے۔

☆......☆......☆

عزیز خان اور شگفتہ عزیز اپنی پیاری سی بیٹی کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے ایک بیٹی ہی ان کی خوشیوں کا مرکز تھی۔۔۔کہ نصیب کے لکھاری نے اس خاندان کا ایسا انجام لکھا کہ ان کا سب کچھ ہی بدل گیا۔۔۔سردیوں کی ایک اداس اور یخ بستہ سی شام عزیز خان کو آفس سے گھر آتے ہوئے سینے میں ہلکا سا درد اٹھا۔۔۔جو تیز ہوتے ہوتے نا قابل برداشت ہو گیا تھا اور ڈرائیور انہیں بہت تیزی سے ہاسپٹل لے گیا لیکن ڈیوٹی پہ موجود ڈاکٹرز نے چیک اپ کے بعد کہا کہ ای سی جی ایکو ٹیسٹ وغیرہ سب بالکل ٹھیک ہیں بی پی بھی نارمل ہی ہے۔۔اور یہ دل کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ معدے کی تیزابیت کا مسئلہ ہے گیس کی دوائی اور معدے کے درد کے لیے پین کلر دے کر انہیں واپس گھر بھیج دیا گیا تھا سب مطمئن ہو چکے تھے کہ خطرے والی کوئی بات نہیں لیکن ۔۔رات بھر وہ درد کی شکایت کرتے رہے ایک وقت آیا کہ انہیں سینے کے ساتھ بازو میں بھی شدید درد شروع ہو گیا اس قدر شدید درد اور کھچاؤ تھا کہ بازو ہلانا بھی مشکل ہو گیا تھا۔وہ یعنی کہ سارا عزیز خان اس وقت صرف بارہ سال کی تھی۔۔۔اور چھٹی کلاس میں پڑھ رہی تھی مما کی بے قراری اور پریشانی جبکہ بابا کی۔۔۔تکلیف اس کے دماغ میں جم کر بیٹھ گئے تھے ڈاکٹرز کی رائے اور ماں کا باپ کو یہ کہہ کر تسلی دینا کہ ڈاکٹرز سمجھتے ہیں اور بہت معمولی سا مسئلہ ہی ہے اور بابا کا تڑپ تڑپ کر تکلیف کا اظہار کرنا اس کی آنکھوں نے اس منظر کی اک تصویر محفوظ کر لی تھی اور جب اس رات کی صبح بابا کی ہمیشہ کی جدائی اور مما کی مکمل تنہائی اس آنگن میں لے کر اتری تو۔۔۔جو بھی میت پہ آیا ان ڈاکٹرز کو برا بھلا ضرور کہا جنہوں نے ہارٹ اٹیک میں بھی انہیں نہ ایڈمیٹ کیا اور نہ ہی ٹھیک سے علاج کیا بلکہ جان چھڑا کر انہیں گھر واپس بھیج دیا تھا اسے بابا کے جانے کے بعد یوں تو ساری دنیا بری لگنے لگی تھی لیکن ڈاکٹرز خاص طور پہ بہت ہی قابل نفرت لگتے اسے ڈاکٹر کے نام سے بھی چڑ تھی وہ بیمار ہوتی تو ہر ممکن کوشش کرتی کہ اس کی بیماری چھپی رہے۔۔۔وہ ماں پہ ظاہر ہی نہیں کرتی تھی کہ وہ کہیں ڈاکٹر کے پاس نہ لے جائیں۔۔۔ان

دنوں اسے جسم اور سر میں درد کے ساتھ بخار بھی محسوس ہو رہا تھا لیکن وہ برداشت کرتی رہی۔ گھر میں چپکے سے بخار چیک کر کے مما کی دراز سے پیناڈول نکال کر کھائی تھی لیکن درد اور بخار کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔۔۔ ایک دن تو ایک سو دو بخار میں بھی جی نہ چاہنے کے باوجود صبح نارمل انداز میں اٹھ کر حسب معمول انڈا پراٹھا کھانے لگی۔ مما اس کی سرخ آنکھوں کو تشویش بھرے انداز میں دیکھ رہی تھیں۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے نا میری شہزادی کی؟ آنکھیں کیوں لال ہو رہی ہیں؟ تمہاری شکل بھی کچھ مرجھائی ہوئی سی ہے" مما نے چائے کا کپ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر اس سے پوچھا۔۔ دو لمبی لمبی چوٹیاں اس کے کندھوں سے ہوتی ہوئی سینے پہ جھول رہی تھیں ماتھے پہ کٹے بال کچھ لمبے ہو چکے اور اب دونوں گالوں پہ بکھرے ہوئے تھے اس نے جلدی سے چائے کی پیالی پکڑی اور دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ مما نے اس کا ہاتھ یا ماتھا چھو کر بخار چیک نہیں کر لیا ورنہ یقیناً ڈاکٹر کے پاس لے جاتیں۔ بخار کی شدت منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر بھی کم نہیں ہوئی تھی "مما جانی! آج بہت اہم ٹیسٹ ہے۔۔۔ رات دیر تک پڑھتی رہی ہوں نا۔۔۔ اس لیے آنکھیں لال ہیں۔۔۔ آپ فکر نہ کریں میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے اپنی آواز کی نقاہت چھپاتے ہوئے ماں کو تسلی دی تو وہ بھی اپنے آفس کی تیاری میں مصروف ہو گئیں جب سر سے سائبان ہی اٹھ گیا تھا تو وہ اپنا اور بیٹی کا سائباں بن گئی تھیں۔۔۔ رات دن مردوں کے شانہ بہ شانہ کام نے انہیں تھکا دیا تھا لیکن وہ بھی اپنی تھکن بیٹی سے چھپاتی رہتی تھیں۔ اس دن سارا شدید بخار کی کیفیت میں دو منزلہ سکول کی سیڑھیاں چڑھ کر کلاس تک پہنچی ہی تھی کہ اتنے زور کا چکر آیا کہ بخار کی شدت نے اس سے ہوش وحواس ہی چھین لیے تھے جب تک کوئی اس کے قریب آ کر تھامتا یا سہارا دے کر کرسی پہ بیٹھاتا وہ دھڑام سے زمین پہ گر کر بے ہوش ہو چکی تھی۔۔۔ ابھی وہ آفس پہنچی ہی تھیں کہ سارا کی ٹیچر کی رنگ آ گئی۔ شگفتہ کا دل بہت زور سے دھڑکا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان کی بیٹی اتنی لائق ہے کہ اس کی شکایت کا فون کبھی نہیں آ سکتا فیس وہ ایڈوانس میں جمع کرا دیتی تھیں اس لیے کبھی سکول سے فیس کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ پوچھنے کے لیے بھی فون نہیں آ سکتا تھا۔ ایک حادثہ ان کا سب کچھ چھین کر لے گیا تھا اب وہ کسی اور حادثے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں۔ "جی جی ___ میں سارا عزیز کی والدہ ہی ہوں۔۔۔ کیا؟ اس نے دوسری طرف کی آواز سن کر وہیں کھڑے کھڑے ایک ہاتھ میں موبائل فون اور دوسرے ہاتھ سے کرسی کی پشت کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔" جی میں ابھی ہاسپٹل پہنچ رہی

ہوں۔'' وہ ہاسپٹل ۔۔تک کیسے گئیں انہیں کون چیخ چیخ کر روتے ہوئے دیکھ کر تسلیاں دیتا رہا کون ساتھ گیا کچھ بھی سمجھ نہ آئی لیکن جب ڈاکٹر نے ملامت بھری نظروں سے خود کی طرف دیکھتی سرخ آنکھوں والی اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے شگفتہ سے یہ کہا کہ۔'' آپ کیسی ماں ہیں کہ آپ کی بیٹی ٹائیفائڈ کا شکار ہے اور آپ اسے اس حالت میں سکول بھیج رہی ہیں۔۔۔ جبکہ ٹائیفائڈ ایک دن میں نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی حالت اور ٹیسٹ کی رپورٹ میں لکھا ہوا کہ اسے کم از کم چار سے چھ دن ہو چکے ہیں کہ۔۔۔ بخار ہو رہا ہے۔۔۔ مجھے لگتا ہے۔۔۔ آپ اس بچی کی سوتیلی ماں ہیں۔۔۔ اگر واقعی ایسا ہے تو اس بچی پہ رحم کریں پلیز۔'' اس ڈاکٹر کے الفاظ شگفتہ کے دل میں تیر بن کر اتر گئے تھے ان کا سانس سینے میں اٹکنے لگا۔'' مجھے واقعی اپنی۔۔ غلطی کا احساس ہو رہا ہے مجھے اپنی بچی کو اس حال میں سکول نہیں بھیجنا چاہیے تھا وہ سخت شرمندہ سی اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔'' سوری ماما اس نے اپنی نازک ہتھیلی پہ لگے ڈرپ کی طرف دیکھا اور دوسرے ہاتھ سے اپنا ایک کان پکڑ کر معافی مانگنے لگی۔۔ اس وقت بھی بخار کی شدت سے اس کی آنکھیں اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔'' جو بھی ڈاکٹر چیک اپ کے لیے آتا وہ نفرت سے اسے گھورنے لگتی۔ ایک ہفتہ ہاسپٹل میں رہنا پڑا تھا لیکن اس قیام میں اور کسی کو اندازہ ہوا ہو گا یا نہیں لیکن وہ خود جان چکی تھی کہ اسے ڈاکٹرز کتنے برے لگتے ہیں ماں نے سارے کام چھوڑ کر بس اس کے پلنگ کا سرہانہ پکڑا ہوا تھا انہیں عجیب قسم کا ندامت کا احساس اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا وہ اپنی کل کائنات سے کیسے اتنی بے خبر رہیں انہیں حیرت ہوتی تھی۔۔ شرمندگی ہوتی تھی دکھ تو ناقابل بیان تھا کہ وہ ان کی عمر بھر کی واحد کمائی تھی۔'' میں تمہیں ڈاکٹرز کے پاس نہیں لاؤں گی لیکن جب بھی کبھی خدانخواستہ طبیعت خراب ہو مجھ سے چھپانا نہیں بلکہ مجھے کہنا ضرور میں گھر میں ہی دوا دے دوں گی۔'' ماں کے سمجھانے پہ بھی اسے کچھ سمجھ نہیں آئی۔۔ نہ ڈاکٹرز کے لیے اس کے دل میں عزت پیدا ہوئی۔۔ وہ اب بھی۔۔۔ ڈاکٹر کے ڈر سے کھٹی چیزیں نہیں کھاتی تھی کہ کہیں گلا خراب نہ ہو جائے سردی میں جیکٹس شال اور موٹے کپڑے پہنے رکھتی کہ کہیں سردی لگ کر بیمار نہ پڑ جاؤں گرمی میں مرغن خوراکوں سے دور ہو گئی تھی کہ کہیں نہ کہیں ان چیزوں کے نقصان بھی تو تھے۔'' اب کہ میں بیمار ہوئی تو ضرور مما کو بتانا پڑے گا اور وہ ڈاکٹر کے پاس ہی لے جائیں گی یقیناً۔۔۔ وہ یہ سوچتی رہتی تبھی تو بہت پسند ہونے کے باوجود۔۔ کھٹی چیزیں بالکل نہیں کھاتی تھی ٹھنڈا پانی آئسکریم وغیرہ سے بھی دور ہی رہتی۔۔

مما اس کی دیوانگی اس کا پاگل پن دیکھتیں اور افسوس سے سر ہلاتیں ان کی اکلوتی بیٹی کے اعصاب پہ اس سانحے نے ایسے اثرات چھوڑے تھے کہ وہ کچھ بھی بھول نہیں پا رہی تھی۔۔انہیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس حد تک ڈاکٹرز سے نفرت کرتی ہے۔۔۔تعلیمی میدان میں اس نے ہمیشہ ماں کا سر اونچا کیا تھا اعلیٰ کارکردگی کے بے شمار سرٹیفکیٹس اور تمغے اس کے کمرے میں بابا کی مسکراتی تصویر کے ساتھ سجے ہوئے تھے۔۔ہر آنے جانے والا اسے سراہتا اور ماں کی تربیت کو بھی سلام کرتا کیونکہ وہ مکمل توجہ اور وقت دیتی تھیں بیٹی کو۔۔حالانکہ انہیں دو محاذوں پہ لڑنا اور لڑ کر جیتنا بھی پڑتا تھا۔۔۔وہ شکر کرتیں کہ خدایا کہیں انہیں شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا بلکہ منزلیں آسان ہوتی جاتی تھیں ان کی ہمت اور حوصلے کے احترام میں۔۔۔

☆......☆......☆

جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھتے ہی اس کی رنگت مزید نکھر گئی تھی اونچا لمبا قد اس کی پہچان بن گیا تھا کچھ نقوش ماں کے اور کچھ باپ کے اس کے حصے میں آئے تھے مجموعی طور پر وہ ایک خوش شکل اور پرکشش لڑکی تھی خاص طور لمبی گردن اور بال سیدھے بال اسکے حسن میں اضافہ کرتے تھے۔۔بغور دیکھنے پہ دیکھنے والے اس کی آنکھوں سے زیادہ لمبی اور گھنی پلکوں کے سحر میں گرفتار ہو جاتے تھے۔۔۔سہیلیاں اسے چھیڑتی رہتیں کہ تم نقلی پلکیں لگاتی ہو وہ ہنستی تو گال پہ پڑنے والا ننھا سا ڈمپل دیکھنے والوں کی ساری توجہ کھینچ لیتا "یار پریٹی زنٹا جیسے ڈمپل ہیں تیرے گالوں کے۔۔۔اگر میرے گالوں پہ ایسے ڈمپل پڑتے نا۔۔۔تو میں ہر وقت خواہ مخواہ ہی ہنستی رہتی" یہ اس کی دوست سونیا تھی جس کو انڈین اداکارائیں بہت پسند تھیں۔۔۔وہ یہ ساری باتیں سن کر مسکرا دیتی۔۔۔لیکن اک احساس اس کے دل میں پکا ہو گیا تھا کہ وہ بہت خوبصورت ہے اسے اپنی خوبصورتی کا احساس تو تھا لیکن اس احساس نے سارا کو خوب اعتماد تو بخشا تھا مغرور نہیں ہونے دیا تھا۔۔۔اس کے اندر عاجزی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔۔مگر اس کی ظاہری شخصیت اتنی آن بان والی تھی کہ کوئی اس کی عاجزی سے واقف نہ ہو سکا تھا سوائے سگی ماں کے۔۔ماں اسے دیکھ دیکھ کر جیتی تھی۔

ڈاکٹری پیشے سے نفرت کے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی۔ایف ایس سی میں اس کے بہت اچھے نمبرز سے کامیابی نے ماں کی آنکھوں میں اس کے ڈاکٹر بننے کے خواب سجا دیئے تھے چونکہ انہیں ہمیشہ سے

ڈاکٹرز پسند تھے اور وہ اپنے شوہر کی موت کو قسمت کا لکھا فیصلہ سمجھ کر۔۔۔خود کو تسلی دیتی تھیں انہیں اس میں کوئی بھی قصوروار نہیں لگتا تھا یہاں تک کہ قسمت بھی نہیں۔۔۔کیونکہ موت سے فرار تو کسی انسان کے بس کی بات نہیں زندگی فانی ہے یہ سبھی کو معلوم ہوتا ہے لیکن کوئی اس بات پہ یقین رکھ کر بھی اوروں کو الزام دے۔۔۔یہ بات انہیں بالکل پسند نہیں تھی لیکن وہ بیٹی کو جو بھی سمجھاتیں اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔۔انہوں نے اپنی خواہش کو لفظوں کا روپ دے کر سارا سے بات کی کہ انٹری ٹیسٹ میں حصہ لے کر کوشش تو کی جاسکتی ہے کہ تم ڈاکٹر بن جاؤ۔

''لیکن مما جانی! مجھے ڈاکٹر نہیں بننا کیونکہ یہ ڈاکٹرز لوگ زندگیوں سے کھیلتے ہیں زندہ ہنستے بستے لوگوں کی غلط تشخیص سے موت واقع ہوجانا کیا ان کا قصور نہیں ہے؟'' وہ ماں سے زخمی لہجے میں سوال کر رہی تھی۔

''اسی لیے تو کہتی ہوں کہ قابل، حساس، اور اپنے پیشے سے محبت کرنے والے، ڈاکٹرز ہوں گے تو امراض کی صحیح تشخیص بھی ہوگی اور اچھا علاج بھی۔۔۔کسی بھی شعبے سے نفرت تو اسے نہیں سنوار سکتی بلکہ ہم جو سہہ چکے ہیں وہ کسی اور کو نہ سہنا پڑے ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس سلسلے کو ہم روک سکیں۔'' ما

ں کی بات پہ وہ چپ ہوگئی تھی۔۔وہ اس کی چپ کو اس کی نفرت کی ہار سمجھ کر مسکرا دیں وہ یہ سمجھیں کہ وہ شاید اسے قائل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہیں لیکن اس نے صرف اور صرف ماں کی بات نہ ٹالنے کے ارادے سے انٹری ٹیسٹ میں بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔۔ٹیسٹ والے دن پیپر دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ وہ پیپر میں باآسانی اچھے نمبر لے کر میڈیکل کالج میں داخلہ لے سکتی ہے۔۔۔لیکن اس نے جان بوجھ کر پیپر خراب کیا بلکہ خالی چھوڑ دیا کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری وہ ماں کی خوشی کے لیے پیپر پاس کر کے اپنی ساری عمر اس پیشے میں نہیں لگا سکتی تھی جس پیشے کی عزت اس کے دل میں نہیں تھی۔۔۔بلکہ جس پیشے سے منسلک لوگوں کی شکلیں بھی وہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔۔۔رزلٹ دیکھ کر ماں کو صدمے کے ساتھ بہت حیرت بھی ہوئی کہ اتنی قابل بیٹی نے اتنے کم بلکہ نہ ہونے کے برابر نمبرز لیے ہیں لیکن وہ خاموش رہیں اسے سمجھایا کہ فکر نہ کرو یہ کوئی آخری موقع نہیں تھا۔۔۔آگے جو چاہو وہی راہ منتخب کرو۔۔وہ دل ہی دل میں شرمندہ بھی تھی کہ جان بوجھ کر خالی پیپر دے کر آنا اور ماں سے غلط بیانی کرنا بہت غلط کام ہے لیکن وہ یہ سب کرنے پہ مجبور تھی کئی دن تک وہ ماں سے نظریں چرائے

پھرتی رہی ماں کی مایوس اور خالی خالی آنکھیں دیکھ کر خالی چھوڑا ہوا کاغذ اسکی آنکھوں کے سامنے آتا تو وہ خود سے بھی نظریں چرا لیتی تھی۔۔

☆......☆......☆

"یار شوہر کے روپ میں مل گیا اگر کوئی ڈاکٹر تو پھر کیا کروں گی؟" اپنی دوست فجر کی بات پہ اس نے۔۔گھور کر اسے دیکھا اور جلدی سے بولی "تمہارے منہ میں ڈھیر ساری خاک۔۔۔یہ تو صاف نظر آتا ہے کہ تمہاری شکل اچھی نہیں ہے لیکن۔۔۔اگر شکل اگر اچھی نہیں تو بات تو اچھی کر لیا کرو ناں۔۔۔دوست ہو کر بددعا دیتی ہو؟۔۔قسم سے دنیا کے سارے مرد ختم ہو جائیں اور ایک آخری آدمی رہ جائے جو ڈاکٹر ہو۔۔تو میں ساری عمر کنواری رہنا پسند کروں گی لیکن شادی پھر بھی نہیں کروں گی۔۔" اس کے لہجے کا یقین اور پختگی بتا رہی تھی کہ وہ ہمیشہ کی طرح جو کہہ رہی ہے اس پر عمل بھی کرے گی۔"یار اتنی بڑی بڑی باتیں اتنی یقین کے ساتھ مت کیا کرو۔۔۔لڑکیوں کی تقدیر کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔۔۔کیا پتا اللہ نے کوئی ڈاکٹر ہی تمہاری قسمت میں لکھا ہو" فجر کے سمجھانے پر اسے مزید غصہ آ گیا۔۔قریب پڑا ہوا کشن اٹھایا۔۔اور اس کی دھنائی شروع کر دی۔"فجر کی بچی تم ایسے باز نہیں آؤ گی مجھے جلانے کے لیے بس یہ ہی موضوع ملا ہے تمہیں؟"۔۔۔فجر اس کے بچپن کی دوست تھی اس کے ہر دکھ سکھ کی دونوں کے گھر بالکل ساتھ تھے۔۔۔دیوار سے دیوار ملی ہوئی تھی۔۔۔دونوں ہم عمر بھی تھیں اور کلاس فیلوز بھی۔۔۔۔اکٹھے سکول جانا پھر اکٹھے ہی ایک کالج جانا۔۔۔دونوں کی دوستی برسوں پرانی تھی۔۔۔اسی لیے تو ماں کے کہنے پر وہ فجر کی نانو کو دیکھنے ہاسپٹل گئی تھی۔۔۔اس کی نانو کی طبیعت بہت خراب تھی اور وہ بہت پیار کرنے والی مشفق ہستی تھیں۔۔۔سارا نے بہت دعائیں مانگیں ان کی صحت کے لیے۔۔۔مگر وہ کچھ دن آئی سی یو میں رہنے کے بعد انتقال کر گئیں سارے گھر کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا یہ۔۔۔اسے لگا کہ اس کی اپنی نانو فوت ہوئی ہیں۔۔۔وہ فجر کو تسلی کیا دیتی الٹا اسے ہی یوں تڑپ تڑپ کر روتے دیکھ کر وہ بے چاری یہ کہہ کر تسلی دے رہی تھی کہ صبر کرو اللہ کے فیصلوں کے سامنے انسان بے بس ہوتے ہیں۔۔۔نانو کے جنازے کے بعد وہ ماں بیٹیاں گھر آئیں تو سارا کے دل میں ڈاکٹرز اور خاص طور پر ڈاکٹر ولید حسن کے لئے نفرت زیادہ ہو گئی تھی۔۔۔"دیکھیے مما میں نے کہا تھا نہ کہ یہ ڈاکٹر شکل سے ہی اچھا نہیں لگ رہا۔۔۔ایسی منحوس صورتوں کو تو دیکھ کر مریض کا مرض مزید

بڑھ جاتا ہے۔۔۔ایسی شکلیں کسی کا علاج کیا کریں گی۔" ماں نے استہزائیہ انداز میں اسے دیکھا۔" بیٹا ان کی عمر بھی زیادہ تھی اور وہ بیمار بھی بہت تھیں۔۔۔اس عمر میں بھی وہ باوجود سب کے منع کرنے کے پرہیز بالکل نہیں کرتی تھیں میٹھا کھانے سے اور بدپرہیزی کرنے سے ان کی شوگر 500 تک پہنچ جاتی تھی۔۔اس میں ڈاکٹر بیچارے کا کیا قصور؟اور علاج شکلوں سے نہیں ہوتے۔۔ بلکہ عقلوں سے ہوتے ہیں علم سے ہوتے ہیں۔جذبے سے ہوتے ہیں اللہ کی رحمت سے ہوتے ہین۔۔اور دوسری بات یہ کہ اس بیچارے کی شکل کو کیا ہوا ہے؟اچھی بھلی تو شکل ہے تمہیں تو خواہ مخواہ کا بیر ہے ڈاکٹرز سے۔۔۔تم لڑکیاں بھی ناں۔۔۔کالے، پیلے، سوکھے سڑے فوجیوں کو دیکھ کر تو ہائے ہائے کرتی ہو۔۔۔اور اچھے بھلے ڈاکٹرز انجینئرز تم لوگوں کے۔۔۔معیار پر پورے نہیں اترتے۔۔یہی پاگل پن تو ہے۔۔جو لڑکیوں کو سب بے وقوف کہتے ہیں۔۔" مما کی بات بلکہ لمبے سے لیکچر کے بعد اس نے حسب عادت ایک کان سے سب سن کر دوسرے سے نکال دیا تھا۔

☆......☆......☆

"دیکھ لیں۔۔۔میری پیاری سی آپا۔۔۔!آپ سے زیادہ مجھے اس دنیا میں کوئی نہیں جانتا۔۔۔جب ہزار بار کہہ دیا ہے کہ مجھے منہ پھٹ اور لڑاکا قسم کی لڑکیاں بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔۔ایک سے ایک خوبصورت کلاس فیلو تھیں اب بھی ساتھی ڈاکٹرز۔۔۔میں ایک سے ایک خوبصورت لڑکی ہے۔۔۔کچھ تو بہت اچھی فیملیز کی بھی ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی خاموش اور سادہ۔۔۔معصوم سی نہیں ہے۔۔سب کی زبانیں ایسے چلتی ہیں کہ جیسے۔۔۔کسی گاڑی کی بریک فیل ہو جائے اور وہ بنا روک ٹوک کے سامنے آنے والی ہر چیز کو اڑا کر ساتھ لے جائے۔۔مجھے کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنی۔۔بس۔۔۔میں آپ سے یہ ہی کہتا آیا ہوں کہ میری ہونے والی بیوی کی صورت چاہے جیسی بھی ہو مگر عادتیں اچھی ہوں۔۔مجھے زیادہ بولنے والی لڑکیوں سے شدید قسم کی چڑ ہے۔۔۔بس جیون ساتھی کے لئے میری اور کوئی بھی شرط نہیں ہے ایک تو یہ کہ خاموش اور سادہ سی ہو۔۔دوسری یہ کہ اچھے کردار کی ہو۔" ولید حسن نے اپنی بہن کو ایک بار پھر سے اپنی پسند بتا کر اطمینان سے میز پہ پڑا موبائل فون اٹھا لیا۔۔بڑی آپا سوچوں میں گم تھیں۔۔۔ماں باپ کی وفات کے بعد بس یہ دو بہن بھائی ہی ایک دوسرے کا سہارا تھے۔۔بڑی آپا کی شادی چھ سال پہلے ہو چکی تھی۔۔پڑھائی کی مصروفیات اور پھر جاب میں ولید حسن

ایسا الجھا۔ کہ اسے شادی کی کوئی فکر ہی نہیں تھی۔۔اس کے ساتھ کے سبھی لڑکوں اور اس کے سارے دوستوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔۔ بڑی آپا اس کے لیے رشتے ڈھونڈ کر تھک چکی تھیں۔۔اس کی فرمائش ہوتی کہ وہ لڑکی کے ساتھ ایک ملاقات کرے گا۔۔اور ملاقات کے فوراً بعد ہی اس کی طرف سے انکار ہو جاتا حالانکہ ہر لحاظ سے خوبصورت اور خوب سیرت لڑکیاں ہوتی تھیں۔۔

''یار آپا پہلی ملاقات میں ایسے فرفر بول رہی تھی کہ۔۔جی چاہا کہ اس کے منہ پر ٹیپ لگا کر اسے کہوں کہ اللہ کی بندی پلیز چپ ہو جاؤ۔۔''

جب تم اس کے منہ پر ٹیپ لگا دو گے تو پھر وہ بیچاری چپ نہیں ہو گی تو اور کیا کرے گی؟'' اسد بھائی اس کا مذاق اڑاتے۔۔بہن اور بہنوئی کی ضد سے تنگ آ کر۔۔آخر کار اس نے لڑکی سے ملنے کی اپنی شرط واپس لے لی۔۔لیکن اپنی پسند بہن کو بتا دی۔۔۔

''یہ یاد رکھیں کہ اگر لڑکی زیادہ بولنے والی یا لڑاکا قسم کی ہوئی تو۔۔۔آپ لوگ ہی اسے سنبھالیے گا۔۔مجھ سے نہیں سنبھلتیں ایسی لڑکیاں۔'' آپا بہت پریشان تھیں بھائی کے لیے پڑھی لکھی لڑکی ڈھونڈنے جاتیں تو انہیں ہر موضوع پہ بات کرنے والی سلجھی ہوئی اور پر اعتماد قسم کی لڑکیاں ہی ملتیں۔۔لیکن بھائی کو پڑھی لکھی کے ساتھ خاموش اور سادہ قسم کی لڑکی چاہیے تھی۔۔انہیں تو اپنے آس پاس ایسی کوئی لڑکی بھی نظر نہ آئی۔۔ان دنوں ان کے شوہر کا کام باہر جانے کا ہو گیا تھا۔۔اور وہ ہمیشہ کے لیے باہر سیٹل ہو رہے تھے۔۔چار پانچ سال سے پہلے تو ان کا پاکستان آنے کا پروگرام نہیں تھا۔۔وہ شدید پریشان تھیں کہ ان کے سوا بھائی کا اور کوئی نہیں تھا۔۔۔وہ جانے سے پہلے اس کی شادی کروا کر اپنی ذمہ داری پوری کرنا چاہ رہی تھیں۔انہوں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اب رشتے والی۔۔انہیں جس اچھے رشتے کے بارے میں بتائیں گی بس اسی لڑکی سے بھائی کی شادی کروا دیں گی۔۔انہوں نے اسد سے بات کی تو انہوں نے بیگم کو تسلی دیتے ہوئے سمجھایا۔

''یار ابھی تو بڑی بڑی باتیں کر رہا ہے لیکن جب شادی ہو جائے تب بیوی کی ہر بات اچھی لگتی ہے۔۔بلکہ شادی کے بعد جی یہ ہی چاہتا ہے کہ بیگم میٹھی میٹھی باتیں کرتی رہے اور میاں کانوں میں رس گھولتی آواز سنتا رہے۔'' انہوں نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔۔آپا ہمیشہ سے کم گو اور بہت سادہ سی تھیں بس بلا

ضرورت بولنا انہیں بالکل پسند نہیں تھا اور سبھی دوست احباب انہیں خوش قسمت کہتے تھے کہ جنہیں اس زمانے میں ایسی ہیرے جیسی بیوی ملی ہوئی ہے لیکن انہیں اپنی بیوی کی چپ اچھی نہیں لگتی تھی۔۔ان کے سمجھانے پہ وہ سنجیدگی سے ولید حسن کا گھر بسانے کا منصوبہ بنانے لگیں۔۔

☆......☆......☆

شگفتہ عزیز خان کی طبیعت ان دنوں بہت خراب رہنے لگی تھی۔۔۔ ہر وقت جسم میں درد اور ساتھ میں ہلکا بخار محسوس ہوتا تھا۔۔ایک دن نہاتے ہوئے جسم پہ صابن مل رہی تھیں کہ انہیں اپنے دائیں جانب والے سینے میں۔۔ایک چھوٹی سی گلٹی محسوس ہوئی۔۔ڈاکٹر کے پاس گئیں اور چیک اپ کے بعد۔۔انہیں مزید کچھ ٹیسٹ کروانے کا کہا گیا۔۔انہی دنوں سارا کے امتحان چل رہے تھے۔۔وہ اور فجر دونوں کمبائن اسٹڈی میں مصروف رہتیں۔۔بلا آخر بہت سے ٹیسٹس کے بعد انہیں یہ رپورٹ ملی۔۔کہ وہ بریسٹ کینسر کا شکار ہو چکی ہیں۔۔ان کیلیے یہ صدمہ اکیلے جھیلنا بہت مشکل تھا۔۔لیکن وہ جانتی تھی کہ اگر سارا کو اس سلسلے میں کچھ پتہ چلا۔۔تو وہ مینٹلی بہت زیادہ ڈسٹرب ہو جائے گی۔۔دونوں ماں بیٹیاں ہی اس اتنی بڑی دنیا میں ایک دوسرے کا سہارا تھیں انہیں اپنی صحت سے زیادہ بیٹی کی فکر تھی۔۔کیوں کہ وہ جانتی تھیں کہ ان کے بعد سارا کو سنبھالنے والا کوئی نہیں ہے۔۔ڈاکٹر نے انہیں بتا دیا تھا کہ وہ اس اسٹیج پہ ہیں۔۔کہ جہاں آپریشن کر کے۔۔ان کی زندگی کو محفوظ کیا جاسکتا ہے۔۔لیکن ڈاکٹرز سے ڈری ہوئی اس بیٹی کا کیا کرتیں جس کے دل میں یہی خوف چھپا رہتا تھا۔۔کہ جو بھی ہاسپٹل جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا۔۔وہ چاہتی تھیں کہ جلد از جلد سارا کا کہیں رشتہ طے کر دیں اور پھر اس کے بعد اپنا آپریشن کروائیں لیکن انکی ڈاکٹر ان کو بار بار یہی کہہ رہی تھی۔۔کیا آپ جتنا جلد ہو سکے اپنا ٹریٹمنٹ شروع کروانے کے لیے ہاسپٹل میں ایڈمیٹ ہو جائیں۔۔کیونکہ ہر گزرتا ہوا دن آپ کی زندگی کے لیے خطرات بڑھا رہا ہے۔۔وہ شدید ترین کشمکش کا شکار تھیں۔جانے آپریشن کے بعد وہ بچ سکیں گی کہ نہیں؟ نہ جانے کتنے دن گھر سے دور رہنا پڑے گا جوان بچی ہاسپٹل میں کیسے رہے گی؟ اور اگر میں نہ رہی تو وہ اکیلی کیا کرے گی؟ اسے کون سنبھالے گا کوئی ایسا قریبی رشتہ نہیں اس کا کہ اسے کسی کے حوالے کر کے سکون سے موت کا مقابلہ کروں۔۔ہار جانا یا جیت جانا تو تقدیر کے فیصلے پہ منحصر ہے لیکن پہلے سارا کا ہاتھ کسی ذمہ دار کے ہاتھ میں تھما کر

پرسکون تو ہو جاؤں۔۔۔کوئی ایسا رشتہ بھی نظر میں نہیں تھا کہ۔۔جس سے جلد از جلد شادی کروا دیتیں۔۔انہیں سوچوں کے بھنور میں ڈوبتے ابھرتے کئی دن گزر گئے تھے طبیعت کی خرابی اور شدید تکلیف کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔۔اور پریشانی اپنی ذات سے زیادہ بیٹی کے کل کی فکروں پہ مشتمل تھی۔۔انہوں نے رشتے کروانے والی ایک عورت ساجدہ بی بی کو بلایا یہ عورت ان کی ایک سہیلی کے بچوں کے رشتے کروا چکی تھی اور سہیلی کے کہنے کے مطابق آج تک اس نے جو رشتے بھی کروائے بہت مناسب رشتے ثابت ہوئے تھے اور وہ سہیلی اپنی بہو اور داماد دونوں سے بہت خوش تھیں۔۔وہ ان رشتے کروانے والیوں سے بہت ڈرتی تھیں کہ جانے کسے دھوکہ دے کر عمر بھر کے لیے پھنسا دیں۔لیکن اب مجبوری بھی تھی اور کچھ اعتماد پیدا ہوا تھا۔۔ساجدہ کے بارے میں جان کر اور اس سے مل کر۔اس لیے وہ اس معاملے میں سوچ بچار کر رہی تھیں انہیں کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا کہ وہ زندگی میں اس قدر مجبور ہو جائیں گی۔۔۔بند گلی میں کھڑی وہ اپنے لیے راستہ ڈھونڈ رہی تھیں لیکن کہیں سے کوئی روشنی کی کرن نظر نہیں آ رہی تھی جس کے تعاقب میں وہ روشن اور صاف شفاف منزل تک پہنچ سکتیں۔۔

☆......☆......☆

”ولید حسن نام ہے اس کا ڈاکٹر ہے اور بہت اچھے خاندان سے اس کا تعلق ہے بہت ہی نیک اور اچھے کردار کا بچہ ہے۔“ یہ نام سن کر انہیں کچھ یاد آ گیا تھا غصے سے لال پڑتا اس پیارے سے لڑکے کا چہرہ تصور میں آیا تو انہوں نے تصویر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو ساجدہ نے انہیں ولید حسن کی تصویر دیکھائی ان کی آنکھوں میں اک پل کے لیے شناسائی کی چمک ابھری۔۔۔اور لبوں پہ اک پرسکون سی مسکراہٹ بھی پھیل گئی تھی۔۔لیکن دوسرے ہی لمحے۔انہیں ڈاکٹرز سے بیٹی کی نفرت یاد آ گئی۔۔۔انہیں یوں پریشان دیکھ کر ساجدہ نے سمجھایا ”دیکھیں باجی! آپ کی پریشانی میں جان گئی ہوں کہ آپ کو کوئی ایسا رشتہ چاہیے جو جلد از جلد۔۔شادی کرنا چاہتے ہوں۔۔اور اس لڑکے کی بھی دنیا میں صرف ایک سگی بہن ہے جو ملک سے باہر جا رہی ہے اور اسے جلد از جلد بھائی کی شادی کرنی ہے کیونکہ وہ تین چار سال سے پہلے واپس نہیں آئے گی اور آپ تو جانتی ہیں کہ یہاں ایسے چھرے چھانٹوں پہ کوئی بھروسہ کر کے رشتہ نہیں دیتا اسی لیے بہن کہتی ہے کہ۔۔۔میں شادی کروا کر ہی جاؤں گی

۔۔سچ کہتی ہوں باجی یہ بہت ہی مناسب رشتہ ہے اس لیے کہ بہت عرصے سے لڑکے کی بہن کو میں کئی لڑکیاں دیکھا چکی ہوں۔۔لیکن ان لوگوں کو کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آتی تھی۔۔۔یقین کریں بہت اچھی اچھی لڑکیاں ان کے بھائی نے ناپسند کر دیں تھیں۔۔۔برا نہ ماننا باجی لیکن سچ کہتی ہوں آپ کی بیٹی سے بہت پیاری اور اچھی لڑکیاں انہیں دیکھا چکی ہوں یہ تو بچی کی قسمت اچھی ہے کہ اب انہیں جلدی لڑکی۔۔چاہیے ورنہ تو میں نے منع کر دیا تھا کہ اب میں مزید کسی لڑکی کا نہیں بتاؤں گی وہ کرنل عبید صاحب کی بیٹی تو آپ نے دیکھی ہے نا؟ کتنی خوبصورت اور قابل لڑکی ہے اک زمانہ اس کی تعریف کرتا ہے لیکن ولید حسن نے یہ کہہ کر کہ یہ لڑکی بہت بولتی ہے اس رشتے سے انکار کر دیا تھا بعد میں اس لڑکی کی شادی سی ایس ایس لڑکے سے ہو گئی لیکن اب بھی ان کی فیملی کو ولید حسن کے انکار کا افسوس ہے۔'' ساجدہ نے تفصیل بتا کر جواب طلب نظروں سے انہیں دیکھا۔۔

وہ ماں تھیں انہیں بیٹی کا پتہ تھا کہ وہ کبھی بھی ڈاکٹر کے رشتے کے لیے ہاں نہیں کرے گی۔۔لیکن اب بیٹی کو یہ بتائے بغیر کوئی اور چارہ نہیں رہا تھا کہ ان کے پاس وقت کم ہے۔۔شاید اس طرح وہ مان جائے۔۔شاید اسے یہ احساس ہو جائے کہ میں اسے محفوظ ہاتھوں میں سونپے بغیر سکون سے مر بھی نہیں سکوں گی۔۔انہوں نے سارا سے بات کیئے بغیر ہی ساجدہ کو کہہ دیا تھا کہ ولید حسن اور اس کی بہن کو کل شام کو یہاں لے آئیں۔۔انہیں یقین تھا کہ۔۔اس تلخ ترین حقیقت سے آگاہی کے بعد سارا انہیں مایوس نہیں کرے گی۔۔لیکن دل ہی دل میں کہیں یہ خوف بھی جاگزیں تھا کہ کہیں وہ نفرت کی شدت اور ماں کی محبت میں سے بچپن کی نفرت نہ چن لے۔۔۔اگر ایسا ہوتا کہ ان کی محبت ہار جاتی تو وہ خود میں یہ صدمہ سہنے کی ہمت نہیں پا رہی تھیں۔۔ایسا ہوا تو میں جیتے جی مر جاؤں گی سارو! انہوں نے اس کی مسکراتی ہوئی تصویر پہ اپنے لب رکھ کر سسکتے ہوئے سرگوشی کی۔

☆......☆......☆

اس کے آخری سمسٹر کا آخری پیپر ابھی ختم ہوا تھا کہ مما کا فون آ گیا۔''یار مما آپ تو شاید گھڑی کی سوئیوں پہ نظریں جمائے بیٹھی تھیں کہ جیسے ہی میں پیپر دے کر نکلوں آپ فون کر دیں۔'' اور واقعی اس نے ابھی باہر نکل کر موبائل آن ہی کیا تھا کہ۔۔ان کا فون آ گیا تھا۔

''جی بیٹا شاید زندگی میں کبھی وقت کے اس قدر قیمتی ہونے کا احساس نہیں ہوا تھا جیسے اب ہو رہا ہے۔'' ماں

کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی لیکن شاید ایسا کوئی فون ابھی تک ایجاد ہی نہیں ہوا تھا جس سے اولاد والدین کے آنسوؤں کی نمی محسوس کر سکتی۔اس لیے وہ بھی ہنستے ہوئے ماں سے اجازت لے رہی تھی۔

''مما جانی! سب فرینڈز آج یونی سے جان چھوٹنے پہ ہلا گلا کرنا چاہ رہی ہیں۔۔ہم سب کہیں باہر کھانا شانا کھاتے ہیں اور پھر آئسکریم کے بعد ہلکی پھلکی سی شاپنگ بھی ہے آج کے دن کی مناسبت سے اسے یادگار بنانے کے لیے ایک دوسرے کو گفٹ خرید کر بھی تو دینے ہیں نا''اس کی آواز میں خوشی اور بے فکری صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

ٹھیک ہے بیٹا۔۔لیکن شام تک تمہارا گھر میں موجود ہونا بہت ضروری ہے۔۔مہمان آرہے ہیں اور میں اکیلی سب نہیں سنبھال سکوں گی۔'' ان کی آواز کی تھکن بھی سارا نے محسوس نہیں کی اس پاس کا شور شرابا ساتھی لڑکیوں کی مستیاں اور چہلیں۔۔۔وہ جان ہی نہ پائی کہ ماں کس کرب واذیت سے گزر رہی ہے۔۔اس عورت کا دکھ انتہا پہ تھا کہ جسے اب اپنی سانسیں گنتی تھیں گھڑیاں اور پل شمار کرنے تھے عمر بھر دکھ سہتے سہتے وہ بھول ہی گئی تھیں کہ عمر تو امانت ہے جب چاہے مالک یہ امانت واپس لے سکتا ہے۔۔اب جو یاد دلایا گیا تو۔۔دم بخود تھیں۔سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیسے اپنی کمی پوری کر کے جائیں۔۔۔زمانے کا ہر روپ ہر رنگ وہ دیکھ چکی تھیں انہیں بیوگی نے اتنے سبق سکھا دیئے تھے کہ اب وہ خود استاد بن کر دوسروں کو زندگی گزارنے کا ہنر سکھاتی تھیں ایسے میں زندگی ہی چھوٹ جائے تو وہ ہنر وہ سبق کس کام کے؟ وہ ابھی ابھی آئینے کے سامنے کھڑی اپنے اترے ہوئے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھیں وقت نے کیسے نقش بدل دیئے تھے۔۔رنگت کے گلابی پن کو وقت کے بھنورے نے چوس کر بالکل زرد کر دیا تھا انہوں نے اپنے پیلے زرد گالوں کو غور سے دیکھ کر اک آہ بھری۔۔۔آنکھوں کے ستارے حقیقتوں کے کالے بادلوں نے چھپا دیئے تھے۔۔زلفوں کا ریشمی پن وقت کے کھردرے ہاتھوں نے چھین لیا تھا وہ مسکراہٹ جو کبھی ان کی پہچان تھی اب ان کے سوکھے لبوں پہ مہمان بن کر پل دو پل کے لیے ٹھہرتی اور باوجود چاہنے کے وہ اس مسکراہٹ کو روک نہیں سکتی تھیں ٹھہرا نہیں پاتی تھیں۔۔انہوں نے اپنے مرجھائے ہوئے چہرے کی ویرانی سے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

وہ سب شاپنگ میں مصروف تھیں ایک دوسرے کے لیے گفٹ خرید کر فارغ ہونے میں سہ پہر ہو گئی تھی۔۔ بھوک کے مارے سبھی کا حال خراب تھا۔ "کچھ دیر اور میں بھوکی رہی تو تم میں سے کسی ایک کو کھا جاؤں گی وہ ہوٹل میں بیٹھیں کھانے کی منتظر تھیں اور اسی انتظار میں سارا۔۔حسب معمول بات بے بات چٹکلے چھوڑ رہی تھی۔۔فجر نے اسے گھورا "اللہ کی بندی اب چپ بھی کر جاؤ کسی اور کو بھی تو بولنے کی باری دے دیا کرو۔۔"

وہ ہنسنے لگی۔۔ "یہ کوالٹی ہر کسی میں نہیں ہوتی یار۔۔بولنا۔۔۔۔بہت بولنا۔۔اور وہ بھی اچھا بولنا۔۔۔ہر کسی کے بس کی بات نہیں لوگ بہت بولتے ہیں اور فضول بولتے ہیں شکر کرو کہ میں فضول نہیں بولتی اگر ایسا ہوتا تو سوچو تم لوگ کیا کرتیں؟۔۔۔

ولید حسن اپنے ایک دوست کے ساتھ اس کی پوسٹنگ کے سلسلے میں دی گئی دعوت پہ چائے پینے آیا تھا۔ "کیا ضروری تھا اس جگہ بیٹھنا؟" اس نے صارم کی طرف غصیلی نظروں سے دیکھا

"یار کیا ہو گیا ہے تجھے؟ بدذوق آدمی لڑکیوں کی چہچہاہٹ اور چڑیوں کی چوں چوں مجھے ایک جیسی لگتی ہے اور یہ بے چاریاں ان کے ہنسنے بولنے کے دن تو مختصر ہی ہوتے ہیں۔۔یہ بیاہ کر جانے کہاں کہاں جائیں گی قسمت کی ماریاں؟ وہاں جانے انہیں سننے والا کوئی اپنا ملے نہ ملے" وہ دکھی انداز میں انہیں دیکھنے لگا اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی ولید حسن کو بھی اداس کر گئی۔۔صارم کی چھوٹی بہن شادی کے بعد سسرال والوں کے ستم سہنے پہ مجبور تھی اور اس کا شوہر بھی ماں بہن کے سامنے اس کا دفاع نہیں کرتا تھا اسی۔۔لیے وہ بے چاری نفسیاتی مریضہ بن چکی تھی اور جب اس پہ ہسٹیریا کے دورے پڑنے لگے تو اسے میکے میں یہ کہہ کر چھوڑ گئے کہ پاگل بیٹی ہمیں دی تھی اب خود سنبھالو اسے ہمارا گھر کوئی پاگل خانہ نہیں ہے صارم اس دکھ سے نہیں نکل پا رہا تھا اس کی ساری فیملی بہت تکلیف سے گزر رہی تھی۔۔۔ولید اس کی کیفیت سمجھ کر اسے تسلی دینے لگا۔ تیز قہقہے کی گونج نے اسے مڑ کر دیکھنے پہ مجبور کر دیا اس نے دیکھا تو آنکھوں میں شناسائی کی لہر جاگی وہی اسپتال میں لڑنے والی لڑکی ہی تھی اسے ذرا سا دماغ پہ زور ڈالنے سے وہ ملاقات یاد آ گئی۔

"کتنی دیر سے دماغ کھا گئی ہے اس نے ساتھ والی ٹیبل پہ کھانا کھاتیں لڑکیوں کو ناگواری سے گھورا۔

"ہاں یار یہ پیلے دوپٹے والی تو بہت ہی بولتی ہے۔" صارم نے بھی لقمہ دیا ولید حسن بڑبڑانے لگا۔

''نہ جانے کس کی قسمت پھوٹے گی۔۔اس لڑکی سے شادی کرنے والا تو چند دنوں میں ہی پاگل ہو جائے گا۔'' وہ چکن کا لیگ پیس منہ میں رکھ کر اس سے دو دو ہاتھ کر رہی تھی کہ اپنی طرف گھورتی نظروں کا احساس ہوتے ہی سامنے دیکھا تو ولید حسن اسے بڑی ناگواری سے گھور رہا تھا جیسے اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ اس کے منہ پہ ٹیپ لگا دیتا۔۔وہ بھی اسے پہچان گئی تھی شناسائی کی چمک اس کی آنکھوں میں جاگی اور اک خیال نے اسے اندر سے گدگدا سا دیا وہ کچھ سوچ کر بنا کسی سے کچھ کہے یکا یک اپنی جگہ سے اٹھی اور بڑی شان سے گردن اٹھائے اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔''اے مسٹر آئیں بائیں شائیں! یہ لیں۔۔۔اس قدر ندیدے پن سے گھورنے کا انعام وصول کریں۔'' سارا نے ہاتھ میں پکڑا آدھ کھایا لیگ پیس اس کی پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا تو وہ دم بخود سا اسے نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھنے لگا۔

''آپ یقیناً اتنی جرأت تو نہیں کر سکتے کہ مجھ جیسی بہادر اور منہ پھٹ لڑکی کو یوں سرعام گھوریں۔۔تو پھر اسی لیگ پیس پہ ہی نظر ہو گی نا آپ کی؟ اسے ہی گھور رہے تھے نا؟'' وہ ان کے سامنے پڑے ڈبے میں سے ٹشو پیپر نکال کر بڑے مزے سے اپنا ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہہ گئی۔

جب بات ولید حسن کی سمجھ میں آئی تو۔۔مارے غصے اور توہین کے احساس کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔'' آپ ایک انتہائی بدتمیز اور مینرز سے ناواقف لڑکی ہیں۔الحمدللہ میری اتنی حیثیت ہے کہ میں اس ہوٹل کو بھی خرید سکتا ہوں۔۔اس طرح کی بے ہودہ حرکت آئندہ کبھی ہوئی تو میں آپ کو مزہ چکھا دوں گا'' اس کی آنکھیں اس بدتمیز لڑکی کی اس حرکت پہ شعلے اگل رہی تھیں۔

''آپکی والدہ کو دیکھ کر اندازہ ہوا تھا کہ آپ کا تعلق کسی اچھی فیملی سے ہے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ کے اس رویے نے میرا یہ خیال سو فیصد غلط ثابت کر دیا ہے۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

سارا پہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا اس قدر سخت باتیں سن کر بھی۔''اب جلتے رہیں مسٹر آئیں، بائیں شائیں, اس سارے قصے سے یہ سبق سیکھیں کہ آئندہ کسی ہوٹل میں جائیں تو اس پاس کی میزوں پہ کھاتی پیتی لڑکیوں پہ غور نہ کیا کریں۔۔کیونکہ سبھی لڑکیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں شرمیلی اور کم گو کچھ سارا عزیز خان جیسی بہادر اور پر اعتماد بھی ہوتی ہیں۔''

اس کی باتیں ولید حسن کے جسم میں آگ لگا رہی تھیں اور اس سے پہلے کہ وہ اس آگ میں اسے بھی جلا دیتا۔۔صارم نے صورت حال بھانپ کر اسے ٹھنڈا کیا "مذاق کر رہی ہیں یہ محترمہ یار۔۔۔شاید اپنی سہیلیوں سے کوئی شرط لگا رکھی ہو انہوں نے اس بہانے شرط جیت جائیں گی۔۔وہ اس کے لال بھبھوکا چہرے پہ تسلی کے چھینٹے مارتے ہوئے درزیدہ نظروں سے سارا کو بھی جانے کے اشارے کر رہا تھا جو تھانیدارنی بنی ان کے سر پہ کھڑی تھی۔۔صارم کو لگا کہ اگر ایک پل بھی یہ لڑکی اور یہاں کھڑی رہی تو ولید حسن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا اور یقیناً وہ اٹھ کر اس بدتمیز لڑکی کے منہ پہ تھپڑ مار دے گا۔۔

"یار یہ محض ایک غلط فہمی ہے۔۔تم اناڑی ایکٹ نہ کرو۔۔"اس کے غصے سے سرخ چہرے کو دیکھ کر صارم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تھپتھپاتے ہوئے اسے چپ کرا دیا تھا۔۔۔

"مس! آپ جو بھی ہیں پلیز اپنی ٹیبل پہ جائیں ویٹر بل لے کر کھڑا ہے۔۔اور آپ کی سبھی سکھیاں آپ کی واپسی کی منتظر بیٹھی ہیں۔جیسا کہ آپ کا رویہ ہے تو مجھے لگتا ہے کہ بل آپ کو صرف اور صرف اپنی جیب سے ہی ادا کرنا ہو گا کیونکہ وہ لوگ پیسوں سے زیادہ۔۔کی مستحق ہیں انہوں نے آپ کی باتیں سننا تھیں سو وہ بھی سن لیں اور جو کام وہ لوگ کر رہی ہیں بہت مشکل کام ہے۔۔اس کام کی انہیں اجرت ملتی تو لاکھوں میں بنتی" صارم کی شرارت میں کی گئی بات شاید اس کی سمجھ میں آ گئی تھی یا اس نے جو کہنا تھا وہ کہہ کر ولید حسن کا رد عمل بھی دیکھ لیا تھا تو اب واپس اپنی میز پہ جانا ہی بنتا تھا۔۔۔اسی لیے تو۔وہ چپ چاپ اپنی جگہ پہ جا کر بیٹھ چکی تھی اب بولنے کے لیے باقی کچھ بچا بھی نہیں تھا۔

☆......☆......☆

وہ ایک یادگار اور بہت خوبصورت دن گزار کر گھر لوٹی تھی۔۔۔ہوٹل اور پھر شاپنگ مالز میں گھومتے پھرتے انجوائے کرتے خوب لطف اٹھایا تھا آج یونیورسٹی کا آخری دن تھا اور خوبصورت یادیں ان کے دامن میں ڈال کر سورج غروب ہو چکا تھا۔۔

"مما جانی! کدھر ہیں آپ؟" وہ بھول چکی تھی کہ ماں نے اسے مہمانوں کی آمد کا کہہ کر جلدی پہنچنے کا اصرار کیا تھا۔۔۔اس کے پاس بہت سی باتیں جمع ہو چکی تھیں اور اب ماں کو دن بھر کی رپورٹ دینی تھی۔"مما! مما! وہ

تیز آواز میں انہیں پکارتی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

''تو وووم۔۔۔یہاں؟'' بالکل ہی سامنے صوفے پہ ولید حسن کو بیٹھا دیکھ کر۔۔اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔۔وہ اپنے آس پاس دیکھے بغیر ناک کی سیدھ میں چلتی ہوئی اس کے عین سامنے کھڑی ہوگئی۔''اے مسٹر آئیں بائیں شائیں۔۔تم میرا پیچھا کرتے ہوئے گھر تک آگئے؟ میں جانتی ہوں یہ ڈاکٹر واکٹر یونہی بکواس ہوتے ہیں لوگوں کے سامنے کہتے ہیں کہ انسانیت کی خدمت کے لیے اس فیلڈ میں آئے ہیں۔۔اور اصل میں انسانوں کے خاتمے میں لگے ہوتے ہیں۔''

وہ مسلسل بولتی جارہی تھی ولید حسن بھی صوفے سے اٹھ کر اس کے مقابل کھڑا ہوگیا تھا اونچے لمبے ولید کے سامنے وہ اک گڑیا جیسی لگ رہی تھی اونچی سی پونی اور جینیز کے ساتھ لمبی شرٹ میں کندھے پہ کاٹن نیٹ کا دوپٹہ ڈالے یوں کھڑی تھی جیسے ابھی اسے گریبان سے پکڑ کر دھکے دیتی ہوئی باہر تک لے جائے گی۔

''سارو! یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' شگفتہ عزیز خان بیٹی کے پاگل پن پہ دم بخودسی اسے چند پل دیکھتی ہی رہیں۔

''سوری آنٹی یہ بدتمیزی تو ان موصوفہ کا معمول ہے۔۔ان کو آپ اگر کسی نفسیاتی اسپتال۔۔۔مطلب پاگل خانے میں داخل کروا دیں تو میرے جیسے شریف لوگوں کا بھلا ہوجائے گا جنہیں زندگی میں سکون اچھا لگتا ہے اپنی زندگی میں بھی اور دوسروں کی زندگیوں میں بھی۔'' اس کا جلا بھنا لہجہ سارا کو تپا گیا۔اور شگفتہ کو شرمندہ کرگیا۔۔

وہ غصے میں مڑی اور اس سے پہلے کہ وہ اسے سناتی اس نے بری طرح گھورتی ماں کے ساتھ ایک پروقار سی خاتون اور ساجدہ آنٹی کو دیکھا تو اسے یاد آگیا کہ آج تو مہمان آنے تھے۔''اسلام علیکم۔'' اس نے گڑبڑا کر حیران و پریشان سی دونوں خواتین کو سلام کیا جو صورت حال سمجھنے کی کوشش کررہی تھیں۔''سوری مما جان۔۔۔بس ان آئیں بائیں شائیں صاحب کو یہاں اپنے گھر میں دیکھ کر غصہ آگیا تھا۔جانے کس قسم کے چیکو انسان ہیں جہاں ملیں گے موڈ خراب ہی کریں گے۔۔توبہ ہے آپی! اس نے بے تکلفانہ انداز میں آپا کی طرف دیکھ کر یوں کہا جیسے برسوں کی جان پہچان ہو ان سے۔۔ایک لمحے کو تو ولید حسن کو بھی لگا کہ آپا کو یہ لڑکی پہلے سے جانتی ہے لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے یہ سوچ کر اپنے خیال کو مسترد کردیا کہ اس دیوانی سی لڑکی سے کچھ بھی توقع کی جاسکتی ہے۔۔۔

"تو آپی جی! یہ بتائیں کہ آپ نے دیکھے ہیں کبھی ایسے لوگ؟ لیکن نہیں ایسے پاگل پن کے شکار لوگ صرف میڈیکل کالجز اور اسپتالوں میں ہی ملتے ہیں ناں؟ اور شکل سے آپ نہیں لگتیں کہ۔۔ میڈیکل کالج سے نکلی ہیں آپ تو بہت معصوم سی لگ رہی ہیں وہ خرانٹ پن نہیں آپ کے چہرے پہ۔" وہ معصوم سے چہرے والی آپا کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ارے مسکہ نہ لگاؤ میری اپا کو یہ میری طرح سمجھ دار نہیں ہیں کہ تمہاری چالاکیاں سمجھ سکیں" وہ صاف آپا کو کم عقل یا ناسمجھ کہہ گیا لیکن بہن نے نوٹس نہ لیا کہ ان کے پاس نوٹس لینے کا ٹائم بھی نہیں تھا" توبہ خدایا۔۔۔۔ کتنا بولتی ہے یہ لڑکی۔۔ اس نے ماتھے پہ ہاتھ مارتے ہوئے بہن کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھا۔

"ادھر آؤ گڑیا سارا! آپا نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بڑی شرافت سے ان کے ساتھ آ کر صوفے پہ بیٹھ گئی۔"گڑیا؟" ولید نے اس پاس متلاشی نظریں دوڑائیں۔۔ آپا اس کی بات سمجھ کر اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپا گئیں تھیں وہ آپا کے پہلو میں بیٹھنے سے پہلے ولید کی طرف منہ بناتے ہوئے دیکھنا نہ بھولی تھی۔

"سارا تم اندر جاؤ اور اپنا حلیہ ٹھیک کر کے آؤ" مما کو اس کی پونی سے نکلی بالوں کی لٹیں اور شکن آلود ملگجے سے کپڑے اچھے نہیں لگ رہے تھے۔

"مما جانی ٹھیک ہی تو لگ رہی ہوں اب اس سے زیادہ حلیہ کیا بہتر بناؤں۔۔؟ دیکھیں آپا مسکارا لگایا۔ لائینر بھی لگایا تھا کپڑے یہ والے برانڈڈ ہیں اور بال یہ میں نے خود ہی نکالے ہیں پونی سے۔۔۔ سٹائل کے لیے۔۔" اس نے لٹیں ہاتھ میں پکڑ کر بے تکلفانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ تو آپا کو بے ساختہ اس کی معصومیت پہ پیار آ گیا۔

"ارے شہزادی آپ تو بہت پیاری لگ رہی ہو اس انداز میں۔" آپا نے اسے پلیٹ میں سے شامی کباب اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے محبت بھری نظروں سے دیکھا۔

مما شرمندہ سی مسکرانے لگیں تھیں جبکہ ولید بڑبڑانے لگا تھا۔" توبہ آپا اللہ کو جان نہیں دینی کیا؟ اتنا جھوٹ۔۔ کبھی گڑیا کبھی شہزادی۔ اور اس ندیدی کو دیکھو۔ ابھی ہوٹل میں ٹھونس ٹھنسا کر آئی ہے اور آتے ہی کباب پہ یوں حملہ کر رہی ہے۔۔ جیسے صدیوں سے بھوکی ہو" اس کی بڑبڑاہٹ پہ آپا نے اسے تنبیہی انداز میں

گھورا اور دل ہی دل میں شکر کیا کہ یہ بڑبڑاہٹ صرف وہ ہی سن پائی تھیں۔

"کیا یہ خود سے باتیں کرنے کی بیماری ان کی پیدائشی ہے؟" اس نے ہمدردانہ انداز میں آپا سے پوچھا تو اب کی بار نہیں بے ساختہ انداز میں امڈتی اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گئی۔ وہ دونوں پاؤں اوپر کر کے صوفے پہ بے تکلفی سے بیٹھی ہوئی تھی اور ولید کا جی چاہ رہا تھا اس پٹر پٹر کرتی لڑاکا لڑکی کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے لیکن وہ یہ سب صرف سوچ کر ہی رہ گیا تھا۔ ان لوگوں نے اجازت لے کر گھر سے باہر قدم نکالا ہی تھا کہ مما اسے کھا جانے والے انداز میں گھورنے لگیں۔

"سوری مما جان" اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے کان پکڑ لیے تھے۔

"میرے کمرے میں آؤ تم سے دو۔۔۔ چار باتیں کرنی ہیں۔" مما نے اسے سنجیدہ مگر سپاٹ انداز کہا اور خود اندر چلی گئی۔

☆......☆......☆

"کیا! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ یکدم اس خوفناک بلکہ دردناک انکشاف پہ اچھل پڑی اس کی آنکھیں پھیل سی گئی تھیں حیرت کی زیادتی سے۔۔۔۔ وہ پھٹیچر آئیں بائیں شائیں۔۔؟ میں اور اس سے شادی؟ میں مر بھی جاؤں تو اس سے شادی نہ کروں" وہ تو نوکر رکھے جانے کے قابل بھی نہیں ہے میں سارا عزیز خان ہوں مما۔۔ اور مجھے اس شخص سے شادی کرنی ہے جسے میرا دل قبول کرے گا اور اس شخص کی تو شکل ہی مجھے اچھی نہیں لگتی اور اوپر سے وہ ڈاکٹر بھی ہے غریبوں کا خون چوسنے والا ڈاکٹر۔" وہ مسلسل بولتی جا رہی تھی۔۔ ماں نے اسے بہت افسردگی سے دیکھا ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی دھند پھیلی ہوئی تھی یوں کہ جیسے سرد موسم میں اندر کی گرمی سے شیشے دھندلا جاتے ہیں اندر اک الاؤ بھی تو جل رہا تھا۔

"مما! کیوں اتنی اداس ہیں۔۔ مجھے آپ کچھ کمزور بھی لگ رہی ہیں خیریت تو ہے نا؟ آپ کی طبیعت خراب تو نہیں ہے؟ اس نے بہت دن بعد فرصت سے ماں کو بغور دیکھا تو وہ بہت مرجھائی ہوئی سی لگیں ان کا چہرہ زرد اور آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے نظر آ رہے تھے۔ "میرے پاس وقت بہت کم ہے سارو!" ان کی فیصلہ کن اداس آواز جیسے کسی گہرے کنویں سے آ رہی تھی۔

"کیا ہوا مما" وہ خوفزدہ ہوگئی؟ ان کے لہجے کی سنگینی اور آنکھوں کی دھندلاہٹ اسے بتا رہی تھی کہ کچھ ایسا ہے سارا ابی کہ جو بہت برا ہے۔۔ اور تمہاری کوتاہی کہ جو بھی برا ہے تم اس سے بے خبر ہو۔ "پلیز مما مجھے بتائیں نا؟ اس نے گھبرا کر ماں کو تقریباً جھنجھوڑ ڈالا تھا۔۔

"میں تمہیں سب بتاتی ہوں کیونکہ ___ کیونکہ میرے پاس اس کے علاوہ دوسرا کوئی رستہ بچا ہی نہیں ورنہ میں۔۔ تمہیں اس دکھ سے آشنا کیے بنا ہی چپ چاپ زمین اوڑھ کر سو جاتی۔" وہ اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ "لیکن میرا بچہ! یہ سب سننے کے لیے بہت حوصلہ چاہیے پہاڑوں جیسا حوصلہ تم میری نازک سی پری ہو لیکن اب تمہیں مضبوط بننا ہے بہت مضبوط۔۔۔ تم بہادر بن کر سب سنو اک بہادر ماں کی بیٹی ہو نا تم؟" اس ماں کی بیٹی جس نے ہمیشہ ہر مشکل کو ہرایا ہے۔۔ مگر خود کبھی ہار نہیں مانی۔۔ لیکن اب ___ اب آخری جنگ ہے اور اس جنگ میں زندگی اور موت کا مقابلہ ہے اور یہ تو ہر ذی روح جانتا ہے کہ موت اور زندگی کی جنگ جس قدر طویل بھی ہو مگر آخری جیت ہمیشہ موت کی ہوئی ہے۔۔۔ زندگیاں ہار جاتے ہیں بلا آخر۔ سب ذی روح۔۔۔۔ میں بھی ہارنے لگی ہوں۔۔۔ اور یہ میرا نہیں تقدیر کا فیصلہ ہے۔۔۔ میں تو تمہیں اکیلے چھوڑنے کے خیال سے بکھری ہوں ٹوٹی ہوں۔۔۔ بس۔۔۔ ورنہ تو حقیقت پسندانہ انداز میں سوچوں تو یہ سب تو کسی کے ساتھ کسی وقت بھی ہو سکتا ہے" ان کی آواز لرز رہی تھی ___ "وہ آنسوؤں کا پھندا گلے سے نکالنے کے لیے پانی کا گھونٹ بھرنے لگیں۔"

یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں مما؟ آپ تو ایسی ظالم نہ تھیں۔۔۔ کیوں مجھے ڈرا رہی ہیں۔" اس کی زبان سے بمشکل یہ الفاظ سرگوشی کی صورت میں نکلے تھے۔" مگر آنکھوں کا خوف چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ کچھ کھونے والا ہے کچھ ہونے والا ہے۔

"مجھے ___ مجھے وہ ایک پل کو رک کر الفاظ جمع کر رہی تھیں۔۔ کینسر جیسی موذی بیماری لگ گئی ہے سارا! وہ سسکنے لگیں۔۔۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں بس چند ہفتے یا ایک آدھ مہینہ اس سے زیادہ نہیں" وہ اپنے گالوں پہ آئے آنسو اپنی انگلیوں سے صاف کر رہی تھیں۔ وہ ساکت سی بیٹھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماں کے نڈھال چہرے کو گھور رہی تھی۔۔ دل کہہ رہا تھا یہ جھوٹ ہے جبکہ ماں کا زرد چہرہ بتا رہا تھا کہ یہ سب سچ ہے۔

"کچھ بولو سارا! یوں چپ نہ رہو۔" ماں نے اس کی چپ سے گھبرا کر اسے کندھے سے پکڑ کر ہلا دیا۔

"مما ایسا نہ کہیں۔۔ یہ جھوٹ ہے یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ "ایسا بھلا کیونکر کرے گا خدا میرے ساتھ۔۔۔؟ میں تو یتیم ہوں میرا تو باپ بھی نہیں ہے وہ رحیم ہے وہ کریم ہے وہ مجھ سے ماں کیسے چھین سکتا ہے؟ وہ جانتا ہے کہ میں آپ کے بغیر کچھ بھی نہیں میرا تو دنیا میں واحد رشتہ ہی آپ ہیں۔۔" وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔۔ کسی خوفزدہ سی بچی کی طرح ماں کی گود میں چھپنے کی کوشش کر رہی تھی دونوں بازو ماں کی کمر کے گرد پھیلا کر اس نے انہیں مضبوطی سے پکڑ لیا تھا یوں چمٹ گئی تھی ان کے جسم کے ساتھ کہ جیسے وہ انہیں کبھی چھوڑے گی نہیں۔ "میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔۔ مجھے آپ کے بغیر نہیں جینا۔" وہ کسی ضدی بچی کی طرح مچل رہی تھی اور ماں کے دل پہ قیامت گزر رہی تھی۔۔ "سارو! پلیز مجھے مزید کمزور مت کرو۔۔ میں نے جوانی میں شوہر کھویا ہے بہت سے رشتوں سے محروم رہی ہوں۔۔ ایک بیٹے کی ایک دنیاوی سہارے کی شدید خواہش پوری نہ ہو سکی۔۔۔ تمہارے لیے میری آنکھوں میں بہت سے سپنے ہیں۔ وہ سارے سپنے ادھورے رہ گئے تمہارے مستقبل کے لئے میرے دل میں بہت سی خواہشیں بہت سے ارمان ہیں۔۔ مگر میری تقدیر مجھے اجازت نہیں دے رہی۔۔ لیکن اب ساری خواہشیں سارے سپنے سارے ارمان۔۔ صرف اور صرف ایک آرزو میں سمٹ گئے ہیں۔۔۔ تم تم مجھ سے وعدہ کرو کہ میری یہ آرزو پوری کرو گی میں مرنے سے پہلے سکون پانا چاہتی ہوں۔۔۔ میری روح کو سکون بخش دو۔۔ میری بات مانو گی نا؟ انہوں نے سارا کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر بڑے مان سے پوچھا۔ "جی مما جیسا آپ حکم دیں گی میں ویسا ہی کروں گی۔۔ آپ کہیں سارو سانس نہ لو تو میں سانس نہیں لوں گی آپ کہیں مر جاؤ تو میں ابھی مر جاؤں گی۔۔۔ بس آپ وعدہ کریں کہ آپ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی۔" "بیٹا یہ وعدہ کرنا تو میرے بس میں ہے لیکن اسے نبھایا بھی جائے یہ بات۔۔۔ یہ اختیار۔۔۔ میرے بس میں نہیں ہے۔۔ اس تلخ حقیقت کا زہر میں تمہاری سماعتوں میں انڈیلتے ہوئے ڈرتی تھی کہ کہیں میرے لفظ گونگے نہ ہو جائیں تمہاری آنکھوں کا خوف دیکھ کر لیکن اب پانی سر پہ سے گزر گیا ہے میری بچی" ماں کا مرجھایا ہوا چہرہ گہرے جامنی لرزتے ہونٹ اور نقاہت زدہ آواز اس کا دل چیر رہے تھے اس کا رنگ اڑا ہوا تھا ایک دوسرے کو مضبوطی سے تھامے ہاتھ دھیرے دھیرے کانپ رہے تھے وہ یہ سب نہیں سننا چاہتی تھی

لیکن بعض اوقات ہمیں وہی سب سننا پڑ جاتا ہے جو ہم سننا ہی نہ چاہتے

ہوں اس نے چکراتے سر کو دھیرے سے ہلاتے ہوئے ماں کے لرزتے ہونٹوں پہ دھیان رکھا اور سماعتوں کا پوراز ور لگا سننے لگی "مجھے ڈاکٹرز نے صاف کہا ہے کہ گزرنے والا ہر لمحہ آپ کو زندگی سے دور اور موت سے قریب تر کر رہا" ان کی سسکی ہونٹوں سے نکلنے کے لیے بے قرار تھی ۔۔ مجھے اسپتال میں جا کر رہنا ہوگا۔ ایڈمیٹ ہونا ہے۔ وہ لوگ جلد از جلد آپریشن کا کہہ رہے ہیں ۔۔ اور سارے علاج میں وقت بہت لگے گا میرے بچنے کے چانس کم بھی ہیں لیکن پھر بھی میں زندگی کی جنگ لڑتی رہوں گی صرف اور صرف اس لیے کہ ۔۔۔ مجھے اس خود غرضی سے بھری ہوئی دنیا میں تمہارا میرے بغیر جینے کا خیال اور تمہارے اکیلے پن کا خوف آسانی سے مرنے بھی نہیں دے گا مگر اس وقت مجھے یہ پریشانی کھا رہی ہے کہ میرے ہسپتال جانے کے بعد اور آپریشن کے وقت تم کیسے اکیلی رہوگی ۔۔ تمہیں سنبھالنے کے لیے کسی مضبوط سہارے کی ضرورت ہے ۔۔ اور ____ وہ کچھ دیر رکیں اور اس کے متغیر چہرے کا جائزہ لے کر دوبارہ بات شروع کی ۔۔ اور میری آخری خواہش سمجھ لو یا میرے دل کی آرزو ۔۔۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ تم ولید حسن سے شادی کر لو"۔ انہوں نے بالآخر دوسرا دھما کہ کر دیا ۔۔۔ یکے بعد دیگرے تلخ ترین انکشافات نے اس کا سارا خون جیسے نچوڑ لیا تھا خوفزدہ چہرہ اور سہمی سہمی نم آنکھیں ماں کے چہرے پہ جمی تھیں ۔۔۔ وہ چپ چاپ ماں کے چہرے کو دیکھ رہی تھی ۔۔۔ شگفتہ عزیز خان نے غور سے بیٹی کی طرف تو اس کے سپاٹ چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا ۔۔ بس آنکھیں غم کی تصویر بنی ہوئی تھیں۔ "تم سوچ رہی ہوگی کہ ولید حسن ہی کیوں؟ جبکہ ماں اچھی طرح سے جانتی ہے کہ بیٹی کو ڈاکٹرز پسند نہیں ہیں ۔۔۔ لیکن میں کیا کروں میری بچی ۔۔؟ تقدیر مجھے اس موڑ پہ لے آئی ہے کہ ۔۔۔ میرے پاس ایک ہی راستہ ہے تمہیں منزل تک پہنچانے کا ۔۔ میری منزل تو تمہاری خوشیاں ہیں ۔۔ اور ولید حسن وہ راہبر ہے جو تمہیں منزل تک پہنچانے کی اہلیت رکھتا ہے اس ۔۔۔ کی بہن باہر سیٹل ہو رہی ہے ۔۔ اور اسکا بہن کے سوا دنیا میں اور کوئی نہیں ہے ۔۔ انہوں نے اگلے ہفتے باہر جانا ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ ایک ہفتے کے اندر یہ نکاح اور رخصتی ہو جائے ۔۔ کوئی اور رشتہ ایسا نہیں ہے کہ جو فوری شادی کے لیے تیار ہوں ۔۔ اور میں انتظار نہیں کر سکتی۔" وہ دم بخود سی سارا کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے سب کچھ کہہ گئیں اب ان کا لہجہ تھکن سے چور لگنے لگا تھا ۔۔ ان کا دامن بھیگتا جا رہا تھا

وہ آنسوؤں کو بہنے دے رہی تھی ہچکیاں تھیں کہ رک ہی نہیں رہی تھیں۔ ”مت رو سارو! مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔“ وہ ساری ہمتیں یکجا کر کے اس کو حقیقت کی تلخیوں سے روشناس کرانے لگی تھیں لیکن لاڈلی کا یوں تڑپنا۔۔اور اس کی تنہائی کا دکھ انہیں توڑ گیا ہمت ریت کا گھروندا ثابت ہوئی۔۔آنسوؤں کا سیلاب اس گھروندے کو ساتھ بہا کر لے گیا۔شیداں نے گھر کی جلتی ہوئی لائیٹس بند کرنے کی ڈیوٹی روز کی طرح پوری کرنی تھی وہ لاونج کی فالتو بتیاں گل کر کے اندر آئی اور ماں بیٹی دونوں کو ایک دوسرے سے لپٹے یوں تڑپ تڑپ کر روتے دیکھ کر۔۔گھبرا سی گئی۔”یا اللہ خیر۔۔کوئی مصیبت نہ آئی ہو۔۔باجی اور گڑیا دونوں بہت بہادر تھیں یہ تو سبھی جانتے تھے۔۔اور خود شیداں بھی آٹھ سال سے ان بہادر ماں بیٹی کی ہمتوں کی گواہ تھی۔”ایسا کیا ہو گیا کہ باجی اور گڑیا دونوں رو رہے ہیں۔“ اس نے خود کلامی کی۔”باجی! خیر تو ہے نا؟“ اس نے نیچے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا۔“

وہ ماں کی گود سے سر اٹھا کر سوجی آنکھوں سے شیداں کی طرف دیکھ رہی تھی۔”دیکھو نا شیداں! مما مجھے اکیلا چھوڑ کر جانے کی بات کر رہی ہیں۔۔آپ انہیں بتائیں ناں کہ میں ان کے گھر نہ ہونے پہ کتنا ڈر جاتی ہوں۔آپ تو گواہ ہیں نا۔جب جب یہ کام کے سلسلے میں چند گھنٹے لیٹ ہو جاتی ہیں تو میں کیسے گھڑی کی سوئیوں سے دوستی کر لیتی ہوں۔۔ایک ایک پل گنتی رہتی ہوں۔۔۔ان کے قدموں کی چاپ پہ بھاگ کر اپنے کمرے میں یوں لیٹ جاتی ہوں کہ جیسے مجھے ان کا انتظار نہیں تھا کیونکہ مجھے لگتا تھا کہ میری ماں میری پریشانی اور انتظار دیکھ کر دکھی ہو جاتی ہیں پریشان ہو جاتی ہیں۔۔شیداں انہیں کہو نا کہ میں ان کے بغیر ایک پل بھی نہیں گزار سکتی یہ مجھے چھوڑ کر جانے کی بات پھر نہ کریں۔“ وہ شیداں کا ہاتھ پکڑے فریاد کر رہی تھی۔”کہیں نہیں جائیں گی یہ۔۔ارے تم ان کے بغیر نہیں رہ سکتیں تو یہ کون سا تمہاری دوری سہہ سکتی ہیں۔“ شیداں نے نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھ کر دونوں کو تسلی دی۔۔۔لیکن جب اصل بات اس کے کانوں تک پہنچی تو وہ بھی بالکل ساکت سی زرد چہرے پہ دکھ کے تاثرات اور آنکھوں میں نمی لیے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔”وہ دونوں ماں بیٹی سے آنکھیں چرا رہی تھی اس میں ہمت ہی نہ رہی کہ دونوں کو یا کسی ایک کو تسلی دے پاتی سبھی الفاظ گونگے ہو چکے تھے اسے تو اب خود تسلی کی دلاسے کی ضرورت تھی اسے بھی اب کوئی کندھا چاہیے تھا اندر کا غبار نکالنے کے لیے پھوٹ کر

رونے کے لیے۔" مجھے اس سوال کا جواب چاہیے جو میں نے ابھی تم سے کیا ہے میری جان۔۔تم نہیں جان پاؤ گی کہ اس سوال کا اثباتی جواب میرے لیے کتنا اہم ہے۔۔۔یوں جان لو کہ اس وقت۔۔۔ پھانسی کی کوٹھری میں سزائے موت کے منتظر قیدی والی کیفیت ہے میری___ جس کی اپیل منظور یا نامنظور ہونے کا فیصلہ آنے والا ہوتا ہے۔۔تم بھی فیصلہ سنا دو۔۔میری زندگی یا میری موت کا نہیں۔۔۔میرے سکون سے مرنے کا یا بے سکونی سے مرنے کا کیونکہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ میرے پاس اب شاید زندگی کا آپشن نہیں رہا۔۔۔بس تم کہہ دو جو تمہارے دل میں ہے! وہ سارا کی طرف دیکھ کر دکھی انداز میں پوچھ رہی تھیں۔۔۔۔سارا نے تڑپ کر انہیں دیکھا "مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے مما جانی۔یہ تو ڈاکٹر ولید حسن ہے آپ اگر کسی راہ چلتے کے ہاتھ میں بھی میرا ہاتھ دے دیتیں تو میں کبھی ناں نہ کرتی۔۔آپ کی خوشی آپ کا سکھ میرے لیے سب سے اہم ہے۔۔۔میری زندگی سے بھی زیادہ اہم ہے۔۔آپ نہیں جانتیں لیکن آپ کی اک سانس کے لیے میں اپنی زندگی ہزار بار قربان کرنے کو تیار ہوں۔" وہ ماں کے ٹھنڈے یخ ہاتھ دیوانوں کی طرح چوم رہی تھی انہوں نے دکھی نظروں سے لاڈلی کو دیکھا اور اپنے آنسوؤں میں بھیگے ہاتھ اس کے سر پہ رکھ کر سکون سے آنکھیں موند لیں۔شیداں نے جب بات کی گہرائی میں اتر کر ساری بات سمجھی تو چکراتے سر کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر دیوار کا سہارا لیا اور اپنی ملگجی سی اوڑھنی سے مل مل کر چھم چھم برستی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔۔برسوں سے شگفتہ کے ہر دکھ سکھ کی ساتھی تھی وہ لیکن اب یہ دکھ اس کی برداشت سے باہر تھا وہ نہ روتی تو کلیجہ پھٹ جاتا اس کا ٹھنڈی یخ سیمنٹ کی بے جان دیوار اس وقت اس کا سہارا بنی ہوئی تھی وہ اس سے ٹیک لگائے سسکنے لگی۔۔دیوار کا سینہ بھی شاید اس کا دکھ برداشت نہیں کر سکتا تھا اس کے آنسوؤں کی نمی دیکھ کر یوں احساس ہو رہا تھا کہ جیسے یہ بے جان دیوار بھی چپکے چپکے رو رہی ہے۔

☆......☆......☆

"ارے یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹ سی گئیں تھیں میں اور۔۔۔ اس لڑاکا بلی سے شادی کروں گا؟ آپا جانی! پلیز یہ خواہش دل سے نکال دیں۔۔۔میں ساری عمر کنوارا رہنا پسند کروں گا لیکن اس پاگل لڑکی سے شادی ہرگز ہرگز نہیں کر سکتا۔" اس کے چہرے پہ بیزاری کے تاثرات اور لہجہ سختی اور فیصلہ کن تھا۔

''میرے بھیا! مان جاؤ پلیز ۔۔۔ میں کس دل سے تمہیں اکیلا چھوڑ کر جا رہی ہوں تمہیں نہیں پتہ؟ اماں جی نے مرتے ہوئے تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھما کر کہا تھا کہ بھائی کو کبھی اکیلا نہ چھوڑنا بیٹی ۔۔۔ اگر یہ کبھی اکیلا ہوا تو میری روح قبر میں تڑپے گی۔'' آپا کی آنکھیں نیر بہانے لگیں ۔۔۔ انہیں بیٹی کے اکیلے رہ جانے کا دکھ نہیں تھا بلکہ وہ اس وقت بھی بیٹے کے لیے فکر مند تھیں ۔۔۔

''یار آپا ایموشنل بلیک میلنگ تو کوئی آپ سے سیکھے ۔۔۔ آپ لوگوں کے نزدیک زندہ لوگوں کے جذبات کوئی اہمیت نہیں رکھتے ۔۔۔ ہاں مرے ہوؤں کا کہا پتھر پہ لکیر سمجھ لیتے ہو۔'' وہ جھنجھلاہٹ میں دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑنے لگتا تھا یہ اس کی بچپن کی عادت تھی اور آپا اسکی اس عادت سے بہت اچھی طرح واقف تھیں۔'' نہیں کا مطلب نہیں ہی ہے ۔۔۔ پلیز اب اس موضوع کو ختم کریں ۔۔۔ اور آپ اپنے جانے کی تیاری کریں اور بے چارے اسد بھائی جان کو بھی احساس جرم میں مبتلا کر رکھا ہے آپ کے اس رونے دھونے کے ہر وقت کے ڈرامے نے۔'' اس نے بیزار لہجے میں کہہ کر ٹی وی کا ریموٹ اٹھا لیا ۔۔۔

آپا نے دکھی انداز میں اس کی طرف دیکھ کر پھر سے رونا شروع کر دیا ۔۔۔ ''ساری دنیا کی فکر ہے تمہیں لیکن ۔۔۔ میری یعنی کہ اپنی اکلوتی بہن کی فکر نہیں ہے ۔۔۔ دکھی انسانیت کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہو لیکن بہن کا دکھ ڈرامہ لگتا ہے ۔۔۔ واہ میرے بھیا! تمہیں داد دوں یا واہ واہ کروں تمہاری خوبصورت سوچ پہ؟'' وہ اسے افسردہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بالآخر ہار مان گئیں تھیں۔ ''ٹھیک ہے پھر ۔۔۔۔ میں شگفتہ عزیز کو فون کر کے جواب دے دیتی ہوں ۔۔۔ انکار کر دیتی ہوں کہہ دیتی ہوں ان سے کہ میرے بھائی کو زیادہ بولنے والی لڑکیوں سے نفرت ہے۔'' اسے ناراضگی سے دیکھتے ہوئے جب آپا نے بات مکمل کی تب وہ بے انتہا خوش ہو گیا تھا۔ ''تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے کہ ایک کینسر کی مریضہ کی آخری خواہش ہے کہ اس کی اکلوتی بیٹی کو کوئی سہارا مل جائے اور سہارا بھی وہ کہ جو اسے سنبھال لے ماں کی کمی کا احساس کم کر دے ماں کی لاڈلی ہے بہت ۔۔۔ بچپن میں باپ مر گیا تھا وہ یتیمی کی تلخیوں سے ذرا کڑوے مزاج کی ہو گئی ہے ۔۔۔ ان دو عورتوں کا اور کوئی سہارا نہیں ہے جب دنیا میں ان کا واحد سہارا ہی نہ رہا تو تب دونوں نے ایک دوسرے کو سہارا دیا تھا اب ایک دوسرے کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتیں دونوں ۔۔۔ مگر ہائے ری قسمت ماں کو بریسٹ کینسر ہے اور

بیٹی دنیا میں بالکل اکیلی۔۔۔وہ ماں اپنا علاج نہیں کروا رہی کیونکہ اس بچی کو کوئی سنبھالنے والا نہیں'' ان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے اور لہجہ بھی بھیگ گیا تھا۔

وہ منہ کھولے ان کی بیان کی گئی تلخ ترین حقیقت سن رہا۔'' کس نے کہا یہ سب آپ سے؟'' کہیں مجھے پھنسانے کا بہانہ تو نہیں ہے۔'' وہ مشکوک انداز میں انہیں دیکھ کر سوال کر رہا تھا۔۔۔آپا آپ بھی کبھی کبھی کہانیاں بنا لیتی ہیں۔۔یاد ہے وہ بھائی جان کی جیب سے پیسے نکلواتے کے لیے جو کہانی بنی تھی۔۔۔وہ تو عین وقت پہ میں نے بھانڈا پھوڑا تبھی انہیں عقل آئی تھی ورنہ تو آپ نے سارے پیسے اس ارشد کی بیوی کو دینے تھے کہ۔شوہر کا علاج کرا لے حالانکہ اسے کوئی بیماری نہیں تھی صرف ہڈ حرام تھے دونوں میاں بیوی اور آپ نے اپنے پاس سے بنا دیکھے ہی اس گھر اور ارشد کی حالت کا ایسا نقشہ کھینچا تھا کہ اسد بھائی نے چیک لکھ کر آپ کے حوالے کر دیا لیکن میں نے سارے معاملے کی چھان بین کر کے ان کا ڈرامہ ناکام بنایا تھا''

اس کی باتیں آپا کو تپا رہی تھیں۔'' دفع ہو۔۔۔میری کوئی اچھی بات یاد نہ رکھنا تم بس طعنے ہی مارتے رہنا۔۔۔میں جا رہی ہوں اور ___ اور پھر نہیں آنے والی تمہارے اس سڑے ہوئے گھر میں جہاں گھستے ہی کوڑا کرکٹ اکٹھا کرنے میں لگ جاتی ہوں میں۔۔میرے شوہر نے تو مجھے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا ہوا ہے۔۔یہ تو میں ہی ہوں جو دوڑی دوڑی چلی آتی ہوں۔۔۔دیکھو مجھے روک لو گر میں اب گی تو پھر واپس نہیں آؤں گی۔۔'' آپا نے جاتے جاتے مڑ کر ہمیشہ کی طرح اسے ایموشنل بلیک میل کیا اور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔'' جب کوئی پوچھنے والا نہیں ہو گا تب میرا احساس ہو گا تمہیں۔۔۔پھر پکارو گے لیکن آپا ہزاروں میل کے فاصلوں میں الجھی ہو گی تیری پکار بھی نہیں سن پائے گی۔۔۔بس ڈھونڈھ لینا پھر کوئی گونگی بہری بے زبان لڑکی۔جو نہ سوچ سکے اور نہ بول پائے تم مردوں کو عورت کا بس یہ روپ ہی بھاتا ہے۔۔۔'' وہ بہت خفا لگ رہی تھیں۔۔

وہ مسکراتے ہوئے تیزی سے اٹھا اور آپا کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھینچتے ہوئے انہیں واپس صوفے پر لا کر بیٹھا دیا۔'' چلیں آپا اب ساری کہانی شروع سے سنائیں اب قسم سے کوئی ٹیڑھی بات نہیں کروں گا لڑکی تو مجھے سخت ناپسند ہے لیکن لڑکی کی ماں بہت سوبر اور گریس فل خاتون ہیں اللہ انہیں اپنی حفظ وامان میں رکھے اس کے لہجے میں ہمدردی تھی۔۔۔آپا نے اب بھی منہ پھلایا ہوا تھا۔۔۔وہ دونوں کان ہاتھ میں پکڑ کر بولا میری

توبہ۔۔۔ میرے بہنوئی اسد بھائی کی بھی توبہ جو آپ کے حکم کے خلاف چلیں ہم۔۔۔۔وہ بھی اس کی ادا پہ بھیگی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگیں۔

☆......☆......☆

شیداں نے دن میں کوئی دسویں بار اپنے ملگجے سے دوپٹے کے پلو کو آنکھوں سے رگڑ کر چپکے سے اپنے آنسو پونچھے۔ تھے۔آج سارا عزیز خان کا نکاح تھا اور سب کچھ اس قدر جلدی ہو رہا تھا کہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یوں سب کچھ بدل جائے گا وہ گھر کی نوکرانی نہیں بلکہ ایک فرد کی حیثیت سے اس گھر کے مکینوں کے ساتھ رہ رہی تھی وہ تینوں اپس میں محبت کی ڈور سے بندھی ہوئی تھیں وہ جوان ماں بیٹی کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھی آج اس سے ان ماں بیٹیوں کی شکلوں کی طرف دیکھا نہیں جا رہا تھا۔کیونکہ نکاح کے فوراً بعد ماں کو آپریشن کے لیے اسپتال میں داخل ہونا تھا شیداں دل کے زخم چھپائے کام کاج کی طرف متوجہ ہوگئی۔"یا اللہ" سارا نے آسمان کی طرف دیکھ کر دکھے دل سے فریاد کی۔۔۔کتنے خواب تھے اس کی اور اس کے حوالے سے ماں کی آنکھوں میں بھی جگنوؤں کی طرح رات ہوتے ہی روشن ہو جاتے تھے۔۔۔وہ ان جگنوؤں کو آنکھوں میں سجائے منزل کی طرف رواں دواں تھی کسی شہزادے کی منتظر۔۔۔جو اس کی زندگی میں آئے گا تو اس کے سارے دکھ لے کر اپنے سارے سکھ اسے دے دے گا اس کے دل پہ حکومت کرے گا اسے رشتوں کی محرومی کے احساس سے چھٹکارا مل جائے گا۔۔۔لیکن آج سارے خواب ٹوٹ چکے تھےوہ جو شہر کے سب سے بڑے ڈیزائنر سے برائڈل ڈریس ڈیزائن کرنے کی باتیں کرتی تھی۔۔۔۔اسے سرخ رنگ کے ریڈی میڈ سوٹ میں سرخ ہی دوپٹہ اوڑھا کر صوفے پہ بیٹھا دیا گیا تھا۔۔۔دوپٹے کے دونوں کناروں پہ سنہری بارڈر بنا ہوا تھا جو اس کے پیلے زرد میک اپ سے عاری چہرے پہ بہت اچھا لگ رہا تھا فجر نے بہت کہا کہ تھوڑا سا میک کر لو لیکن اس نے فجر کا ہاتھ جھٹک کر لپ اسٹک اپنے ہونٹوں سے پرے کر دی تھی فجر نے شگفتہ کی آنکھ کے اشارے پہ خاموش ہو جانا ہی بہتر سمجھا تھا کیونکہ اسے صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ ضبط کی آخری حدوں پہ کھڑی تھی اگر تھوڑی سی بھی بات بگڑتی تو وہ جانے کیسا ردعمل ظاہر کرتی؟ اس کی سوجی سوجی آنکھیں دھلا ہوا سا چہرہ سرخ ناک اور متورم سے لرزتے ہوئے ہونٹ اس کے اندر کے طوفان کی کہانی سنا رہے تھے اس کے اندر جھکڑ چل رہے تھے۔اسے اپنا آپ تو بالکل بھولا ہوا

تھا۔اپنے خواب اپنا آئیڈیل اپنے ارمان اپنی نفرت ڈاکٹرز کے لیے۔۔۔اور اپنے ناپسندیدہ ترین شخص سے نکاح کا دکھ۔۔یہ ساری چیزیں اس کے لیے اس وقت بالکل غیر اہم ہو گئی تھیں۔اس کیساتھ مسلسل کئی گھنٹوں سے فجر اور اسکی فیملی بیٹھی ہوئی تھی۔سبھی دکھی تھے۔۔۔ان ماں بیٹی کے درد تو صاف چہروں پہ لکھے ہوئے تھے سبھی جان چکے تھے کہ ان کے دل پہ کیا گزر رہی ہے۔۔۔شگفتہ عزیز خان کی ہمت پہ سبھی حیران بھی تھے جو اس حالت میں بھی۔۔۔فنکشن کے انتظامات کی فکر میں غلطاں تھیں۔۔۔فجر سارا کو تسلیاں دے دے کر تھک چکی تھی۔۔۔وہ سب کچھ جانتی تھی اسے معلوم تھا کے سارا کو ڈاکٹرز کتنے برے لگتے ہیں۔۔۔وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس پیشے کے لیے نفرت اس کی رگوں میں دوڑتے خون کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔۔لیکن یہ اتنی بڑی قربانی سارا صرف اور صرف اپنی ماں کے لیے دے رہی ہے اور ماں کی بیماری نے اسے اندر باہر سے اس حد تک توڑ پھوڑ دیا تھا کہ وہ اپنے وجود کی بکھری ہوئی کرچیاں بھی سمیٹنا نہیں چاہتی تھی بلکہ ماں کی جدائی سے پہلے فنا ہونا چاہتی تھی۔۔

شگفتہ نے سارا کا ماتھا چوم کر اسے بہت سی دعائیں دیں۔۔۔وہ اس سے دھیرے دھیرے کہہ رہی تھیں کہ بے شک تمہاری بہت سی خواہشیں بہت سے خوابوں کو تمہاری بے بس ماں حقیقت کا روپ نہ دے سکی اور جو جیون تمہیں پسند ہے وہ بھی میں تمہیں نہ دے سکی۔۔۔لیکن میری بچی سچ کہوں تو۔۔۔میں بہت مطمئن ہوں۔۔۔جیسا داماد میں چاہتی تھی اللہ نے مجھے ویسا ہی داماد دیا ہے۔۔وہ بہت ہمدرد نیک دل اور اچھے کردار کا بچہ ہے۔" انہوں نے پیار سے بیٹی کو دیکھا اور کہا۔" مجھے یقین ہے وہ ہمیشہ تمہیں خوش رکھے گا۔۔اس کی فطرت میں بہت سی اچھائیاں ہیں اسے اپنی آئیڈیل لڑکی کی تلاش تھی لیکن اس نے اس سلسلے میں بہت سی لڑکیوں کو ریجیکٹ کیا لیکن جیسے ہی اسے پتہ چلا کہ میں بیمار ہوں اور۔۔۔اور کبھی بھی تمہیں میری کمی محسوس نہیں ہونے دے گا۔۔اسکی کوئی لمبی چوڑی فیملی نہیں ہے۔۔۔ایک بہن اور وہ بھی باہر سیٹل ہو رہی ہے۔وہ بن ماں باپ کا بچہ ہے۔۔۔ایسے لوگ رشتوں کو بہت سنبھال کر رکھتے ہیں بالکل بھی کھونے نہیں دیتے ولید حسن بھی تمہاری بہت قدر کرے گا پھولوں کی طرح مہکتی رہو میری بچی۔۔۔تم دونوں ایک دوسرے کا سہارا بننا۔۔اور کبھی بھی اسے شکایت کا موقع نہیں دینا۔۔۔مجھے یقین ہے کہ تم میری تربیت پر کوئی حرف نہیں آنے دو گی اور ھمیشہ مجھے سرخ رو رکھو گی۔" انہوں نے اپنے کمزور سے ہاتھ میں سارا کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔۔سارا کو محسوس ہو رہا تھا کہ

ان کے ہاتھ بالکل ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔۔وہ دلہن بنی ہوئی بھی بار بار ماں کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔۔وہ ان کے چہرے پر نظریں جمائے ان کی تکلیف کا اندازہ کر رہی تھی۔۔اور اسے اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ ماں بہت شدید تکلیف میں ہے۔۔اب وہ یہ چاہ رہی تھی کہ جلد از جلد نکاح کی رسم پوری ہو۔۔اور وہ یہ دلہن کا لباس بدل کر ماں کے ساتھ ہاسپٹل چلی جائے۔۔دونوں خاندانوں میں یہ طے ہوا تھا کہ۔۔نکاح آج ہو جائے گا لیکن رخصتی چند دن کے بعد ہو گی۔۔کیونکہ سارا ماں کو اس حالت میں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔۔اور آپا نہیں چاہتی تھیں کہ وہ اس بات پر اصرار کر کے ماں اور بیٹی دونوں پر یہ ظلم کریں۔۔۔

سامنے رکھے کاغذوں پہ دونوں نے بے دلی سے دستخط کیے اس کی انگلیاں لرز رہی تھیں۔۔۔لیکن دل کی حالت کو نظر انداز کر کے وہ اپنے سارے مردہ خوابوں کو ایک ہی اجتماعی قبر میں دفنانے لگی۔۔یہ ایک خواب اعلیٰ تعلیم کے بعد اچھی سی جاب کر کے تھکن سے چور ماں کو ذرا آرام دینے کا۔۔۔یہ ایک خواب اپنے خوابوں کے شہزادے کو ڈھونڈنے کا جو آرمی یونیفارم میں ملبوس چوڑے شانوں پہ مختلف بیج سجائے اور مضبوط سینے میں اس کی محبت بسائے اسے ڈھونڈنے نکلا ہو گا اور ادھر سے اس کی سچی تلاش کا حاصل بن کر اسے انعام کی صورت میں کسی روز اچانک راہ میں مل جائے گا۔۔اک اور خواب کو اسی اجتماعی قبر میں دفناتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپے تھے اور وہ خواب تھا ماں کے ساتھ اللہ کے گھر کی حاضری کا خواب۔۔جب بھی کعبے کی تجلیاں دل کو منور کرتیں اور جی تڑپ اٹھتا حاضری کے لیے۔۔۔وہ چپکے چپکے دیکھتی ماں محافل میلاد میں یا ٹی وی پہ۔نعت شریف سنتے ہوئے چپکے چپکے آنسو بہاتیں اور اپنے آنچل کے کونے میں وہ موتی سمیٹ لیتیں تو وہ پوچھتی۔

''مما! مدینہ منورہ کا ذکر ہو تب آپ رونے لگتی ہو مکہ مکرمہ میں طواف کا منظر آتا ہے تب آپ تڑپنے لگتی ہو۔۔۔مگر اللہ کے گھر کی زیارت کے لیے جاتی کیوں نہیں۔۔۔مجھے بھی آپ کے اس ارمان کو حسرت میں بدلتے دیکھنا اچھا نہیں لگتا۔۔۔آپ۔۔۔مگر وجہ نہیں بتاتیں''

وہ اسے یوں دیکھتیں جیسے کسی ناسمجھ بچے کو ماں کسی نادانی پہ گھور کر دیکھتی ہے۔''چلو آج تمہیں بتا ہی دیتی ہوں کہ مجھے۔۔۔محرم کا انتظار ہے۔۔۔میرے بچے۔۔۔۔ہمیں جیسے ہی محرم مل گیا سب سے پہلے اللہ کے گھر کی زیارت کو جائیں گے دونوں۔''۔ان کا لہجہ بہت معنی خیز تھا۔''وہ سمجھ گئی تھی کہ ان کا مطلب کیا ہے۔۔۔'

'بس بیٹھی رہیں پھر اس انتظار میں۔۔۔میرے ہیرو نے تو ابھی آرمی جوائن کی ہوگی ابھی تو ٹریننگ کرے گا پھر کہیں جا کر مجھے ڈھونڈنے نکلے گا اور میں اسے اتنی آسانی سے ملنے والی بھی نہیں ہوں قیمتی لوگ بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔۔۔' اس کے گالوں کے ڈمپل گہرے ہو گئے تھے ماں پیار سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کی دعائیں کر رہی تھیں۔

''ویسے مما ایک اور طریقے سے بھی تو محرم مل سکتا ہے'' اس کا لہجہ شرارتی تھا۔۔ماں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا ''میری ینگ اور سمارٹ مما کے لیے کوئی ہیرو آ جائے تو؟؟ بے شک فوجی نہ بھی ہو۔۔۔ہاں ریٹائرڈ فوجی ضرور ہو'' مما کا منہ لال ہو گیا اس کی بے تکی اور بے وقت کی فضول بات پہ۔۔۔انہوں نے اسے گھورتے ہوئے کشن اٹھایا اسے مارنے کے لیے لیکن شاید کشن بھی انہیں بھاری لگا تھا۔۔۔اور اس ڈر سے کہ کہیں اسے چوٹ ہی نہ لگ جائے وہ صرف کشن اسے دیکھا کر ڈرانے لگیں۔ ''بہت فضول مذاق ہے یہ۔۔۔اور بہت چلتی ہے تمہاری یہ لمبی زبان۔۔۔بے چارے فوجی کی تمام عمر سنتے ہوئے گزرے گی بولنے تو تم اسے نہیں دو گی کبھی بھی'' دو آنسو اس کی پلکوں سے ہوتے ہوئے آنکھوں سے پھسلے۔۔اتنا سوگ تو بنتا ہے قبر پہ اس نے چپکے چپکے سارے خوابوں پہ مٹی ڈالتے ہوئے سوچا۔

نکاح ہو چکا تھا۔۔ولید حسن اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھا تھا۔۔۔فجر تصویریں بنا رہی تھی۔۔۔اور وہ بار بار ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے اپنی آنکھیں صاف کر رہی تھی۔۔۔رونا نہیں چاہ رہی تھی لیکن چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ کھانے پہ بہت اہتمام کروایا تھا شگفتہ عزیز خان نے اب اکلوتی لاڈلی بیٹی کے نکاح پہ بہت جلدی میں بھی کچھ ارمان تو نکالنے تھے ماں کے دل میں تو بہت کچھ تھا لیکن جو بھی اتنی جلدی میں ہو سکتا تھا وہ تو کر ہی سکتی تھیں۔۔

ابھی کھانا شروع ہی ہوا تھا کہ بیٹی کے پاس بیٹھی شگفتہ عزیز کی اچانک ہی طبیعت بہت خراب ہو گئی۔۔۔وہ شدید تکلیف کی شدت سے تڑپتی ہوئی بے ہوش ہو گئی تھیں۔۔۔اس نے ماں کی حالت دیکھی تو۔۔گھبرا کر تیزی سے اٹھی اور روتی ہوئی ان سے آ کر لپٹ گئی۔ ''آپ وعدہ خلافی نہیں کریں گی مما۔۔۔آپ نے کہا تھا کہ تم شادی کے لیے حامی بھر لو۔۔تو میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی۔۔۔مجھے سکون مل جائے گا اب آپ نے اپنی بات پوری نہیں کی نا؟۔''

سبھی اس کی حالت پہ رو رہے تھے جبکہ ولید حسن نے اپنے گلے میں پہنا ہوا پھولوں کا ہار اتار کر پھینک دیا اور تیزی سے آگے بڑھ کر اسے ہٹایا اور شگفتہ کو اپنے دونوں بازوؤں میں یوں اٹھالیا جیسے کوئی بچہ اپنے بازوؤں میں گڑیا کو اٹھاتا ہے۔۔۔وہ دونوں بازوؤں میں اٹھا کر انہیں گاڑی کے پاس لے گیا شاید وہ اکیلا ہی جانا چاہتا تھا پچھلی سیٹ پہ بیٹھ کر ڈرائیور کو گاڑی سٹارٹ کرنے کی حدایت دے کر وہ ہوش وحواس سے بیگانی شگفتہ کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ اسی اثنا میں وہ پھولی ہوئی سانسوں اور بکھرے بکھرے روپ سمیت گاڑی کا دروازہ تیزی سے کھول کر اندر بیٹھ گئی۔وہ اس کے کندھے پہ رکھے ماں کے سر کو جلدی سے پکڑ کر نرمی سے اپنے کندھے پہ رکھ چکی تھی۔۔۔ان کا ٹھنڈا یخ وجود اسے دہشت میں مبتلا کر رہا تھا وہ شدید خوف کی حالت میں دھیرے دھیرے کانپ رہی تھی۔۔۔اپنی آواز کی کپکپاہٹ پہ قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اس نے کالی شیروانی میں ملبوس ولید حسن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میری مما کو ہاسپٹل لے گئے تو یہ بابا کی طرح پھر واپس نہیں آئیں گی۔۔۔۔میں جانتی ہوں ہمیشہ کے لیے انہیں ڈاکٹرز مجھ سے چھین لیں گے۔۔۔جیسے میرے بابا کو چھین لیا تھا۔۔۔میں مما کے بغیر مر جاؤں گی۔۔۔میرے پاس کچھ نہیں بچا۔۔۔میرا سب کچھ یہ مرتی ہوئی ماں ہی ہیں۔۔۔انہیں کچھ ہوا تو میں سارے ڈاکٹرز کو جان سے مار دوں گی آپ کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" اس کے لہجے کی دیوانگی اس پریشانی میں بھی ولید حسن کو چونکا گئی۔

"شٹ اپ پلیز مس سارا عزیز خان۔۔آپ کی زہر اگلتی زبان مجھے مزید پریشان کر رہی ہے۔" اس کے لہجے میں پریشانی کے ساتھ ناگواری بھی تھی سارا نے اسے دیکھا وہ شیروانی کے بٹن کھولنے میں مصروف تھا۔

"مجھے پتہ تھا کہ آپ ایک روتی ہوئی بیٹی کو تسلی دینے کی اہلیت نہیں رکھتے۔۔۔نہ کسی مرتے ہوئے انسان کو زندگی کی طرف واپس لا سکتے ہیں۔۔۔قابل نفرت ہیں آپ سب۔" وہ اس کی بدتمیزی پہ چلائی۔

"میں نے کہا نا چپ کرو اس نے شیروانی اتار کر اگلی خالی سیٹ پہ پھینکی اور شگفتہ عزیز کا ہاتھ پکڑ کر نبض چیک کرنے لگا۔" اب کہ تم بولیں نا تو میں گاڑی روکے بغیر تمہیں گاڑی سے اتار دوں گا۔۔سمجھیں؟" وہ آپ جناب سے تم پہ آ گیا تھا۔۔۔اب وہ شگفتہ کی ہتھیلیوں پہ زور زور سے اپنا ہاتھ رگڑنے لگا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی

ولید حسن نے موبائل پہ کسی کا نمبر ملایا۔ "ڈاکٹر نوفل! ہاسپٹل کے گیٹ پہ سٹریچر بھیجیں اور ڈاکٹر عالیہ کو جلد از جلد کال کر کے بلا لیں۔۔ پیشنٹ کی حالت انتہائی تشویشناک ہے۔" آخری جملے اس نے ذرا دبے ہوئے انداز میں بولے تھے لیکن وہ سب سن رہی تھی۔۔ لفظ تشویشناک پہ وہ سہم کر بے جان پڑی ماں کو دیکھنے لگی۔۔۔

اسپتال میں کیا ہوتا رہا وہ سب ڈاکٹرز اندر اس کی مما کے ساتھ کیا کرتے رہے اسے کچھ خبر نہ تھی۔۔ وہ تو بس۔۔ آئی سی یو کے اونچے سے دروازے کے ساتھ زمین پہ بیٹھی تھی بالکل ساکت سی فضا میں کسی نادیدہ چیز کو گھورے جا رہی تھی۔۔ ڈاکٹرز اور نرسز آتے جاتے اسے ہمدردانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔۔۔ سرخ چوڑی دار پاجامہ اور سرخ شیفون اور جامہ وار کا گھٹنوں تک لمبا فراک پہنے ساتھ میں ہلکی سی جیولری اور دکھی چہرہ۔ جس پہ خشک آنسوؤں کے نشان صاف نظر آ رہے تھے۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بھاری دوپٹہ اس نے کار پورچ میں پھینک دیا تھا۔ ولید حسن باہر نکلا تو اسے زمین پہ ساکت سا بیٹھا دیکھ کر ایک لمحے کے لیے اس کا دل ہمدردانہ انداز میں دھڑکا اور اسے اس پاگل اور باتونی لڑکی پہ بے ساختہ رحم آ گیا۔" اس نے پہلی بار اسے بغور دیکھا تو اندازہ ہوا کہ وہ تو بغیر دوپٹے کے عروسی لباس میں ملبوس ہے اس نے آس پاس کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی اور کچھ نہ پا کر اسے آواز دی۔ "مس سارا! پلیز اٹھیے یہاں سے۔۔ اندر آئیں میں نے روم ارینج کروا لیا ہے۔۔ آپ ادھر چلیں۔" وہ یونہی بیٹھی رہی جیسے اس کی آواز سماعتوں تک رسائی نہ پا سکی ہو۔ "چلیں اٹھیں! اس نے بلا آخر جھک کر اس کا ہاتھ پکڑا اور زور لگا کر اسے کھینچتے ہوئے اٹھانے لگا۔۔ وہ کسی بے جان بت کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی کمرے کا دروازہ کھولتے ہی دو بیڈز اور ایک چھوٹا سا صوفہ پڑا نظر آیا وہ بت بنی کھڑی رہی۔

"آپ بیٹھیں میں آتا ہوں۔" ولید نے اسے اشارے سے صوفے پہ بیٹھنے کا کہا وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ مما کیسی ہیں؟ لیکن کسی کڑوے اور ناپسندیدہ جواب کا خوف اسے پوچھنے نہیں دے رہا تھا کہیں وہ یہ نہ کہہ دے کہ ہم انہیں نہیں بچا سکتے آپ صبر کریں۔ ایسا ہوا تو میں کیا کروں گی؟۔۔ میرے بس میں تو کچھ بھی نہیں۔۔۔ "مس سارا! وہ اسے پھر سے آواز دے رہا تھا وہ یہ سب نہیں سننا چاہتی تھی اس لیے بالکل چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اس نے دوسری بار پکارا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔ "میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔۔ آپ کمرے سے

نکل کر کہیں نہیں جائیے گا اس وقت آپ کی حالت ایسی نہیں ہے کہ آپ اکیلی کہیں جا سکیں۔"

وہ اپنی بات ختم کر کے باہر نکل گیا وہ صوفے پر بیٹھی۔۔اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ رہی تھی۔"بیٹا اب آپ کے بابا اس دنیا میں نہیں رہے وہ اللہ جی کے پاس لوٹ گئے ہیں۔" برسوں پہلے کہی گئی مما کی باتیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔"تم بہت بہادر ہو۔۔اور میں بھی بہت بہادر ہوں ہم دونوں ایک دوسرے کا سہارا بنیں گے۔" اس نے اس وقت تو روتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔لیکن دل ہی دل میں وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ بہت بزدل لڑکی ہے۔۔وہ ہمیشہ ماں کے سامنے بہادر بننے کی اداکاری کرتی رہتی تھی۔۔اپنے اندر کی بزدلی چھپاتی رہتی تھی۔۔لیکن آج اسے یہ احساس ہو رہا تھا کے اسے بہادر بننے کی اداکاری کرنے کے بجائے بہادر بننے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔۔۔یہ بزدلی نہیں تو اور کیا تھا؟ کہ وہ کتنی ہی دیر سے۔۔کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے آنے والے وقت کے خوف سے ہار مان چکی تھی۔۔خدشات کے بوجھ تلے دبی ہوئی۔۔اس کی روح بھی سسک رہی تھی۔

اللہ جانے کتنی دیر بعد وہ ہسپتال کے اس کمرے میں واپس آیا تھا۔سارا کو اپنی جگہ ویسے کا ویسا بیٹھا دیکھ کر وہ جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولا۔"آپ ابھی تک ویسے ہی بیٹھی ہوئی ہیں۔۔جیسا کہ میں ایک گھنٹہ پہلے آپ کو چھوڑ کر گیا تھا۔" وہ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔"اللہ کا شکر ہے کہ آنٹی کو ہوش آ گیا ہے۔۔میں تو چاہ رہا تھا کہ انہیں کمرے میں شفٹ کر دیا جائے۔۔لیکن ڈاکٹر نوفل نے کہا ہے کہ ان کو آئی سی یو میں ہی رہنا چاہیے وہاں ان کی بہتر دیکھ بھال ہو گی۔۔آپ کچھ دیر کے لئے ان سے ملنے جا سکتی ہیں۔"

اس کے مردہ بدن میں یہ بات سن کر جیسے روح دوڑ گئی تھی۔۔وہ تیزی سے اٹھ کر باہر کی طرف لپکی"۔۔لیکن میری بات سن لیں ولید نے اسے روکا اس سے پہلے کہ آپ آنٹی کے سامنے جائیں۔۔آپ کو اپنا حلیہ ٹھیک کرنا پڑے گا۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے اپنے عروسی لباس کو دیکھا۔"کیا ہوا ہے میرے حلیے کو؟" ولید نے کوئی جواب نہیں دیا۔

لیکن ایک شاپر اسے پکڑا دیا۔"اس میں کچھ کپڑے ہیں۔۔رات کے اس پہر دکانیں بند تھیں۔۔جو چند ایک کھلی ہوئی ملیں ان میں سے ہی یہ سب خرید کر لے آیا ہوں۔۔اس نے بنا دیکھے ہی اس کا دیا ہوا شاپر ہاتھ میں

پکڑ لیا اور جلدی سے واش روم کی طرف بڑھ گئی وہ ایسے نازک وقت یہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ بحث و مباحثہ میں وقت ضائع ہو۔اسی لیے اس کے حکم کی تعمیل میں۔۔کوئی بات نہیں کی۔۔وہ اس کی تابعداری پہ پہلے تو حیران ہوا پھر اس انہونی پہ زیرلب مسکرا دیا۔چند منٹ بعد ہی وہ لباس بدل کر باہر نکل آئی اس کے ہاتھ میں اپنا عروسی جوڑا تھا۔۔وہ سلیقے سے سرخ جوڑے کو تہہ کر کے۔۔خالی شاپر میں سنبھال رہی تھی۔۔ولید حسن نے بغور اسے دیکھا۔گہرے گلابی رنگ کے شلوار قمیض کے ساتھ۔گلابی رنگ کی ہی پیپر شال۔۔اس نے سلیقے سے کندھوں پر لپیٹ رکھی تھی۔۔لباس بالکل اس کے ناپ کا تھا۔۔وہ باہر نکل کر اس کا شکریہ ادا کرنے لگی۔

''میں نے پہلی بار کسی اور کا خریدا ہوا لباس پہنا ہے۔ورنہ میں تو بچپن سے ہی اپنی پسند کی شاپنگ کرتی آئی ہوں اور خاص کر اجنبی لوگوں سے تو میں کوئی تحفہ لینا پسند نہیں کرتی۔۔

اس کے یوں کہنے پر ولید حسن نے برا سا منہ بنا لیا۔''مس سارا عزیز خان! میں بھی کوئی ایسا فارغ نہیں ہوں۔۔کہ بیوی کے لیے اور وہ بھی ان چاہی بیوی کے لیے۔۔پہلے دن ہی بلکہ نکاح کے چند گھنٹوں بعد ہی شاپنگ شروع کر دوں۔۔میں چاہتا تھا کہ تم اس حلیے میں آنٹی کے سامنے مت جاؤ۔۔وہ تمہیں ایسے بغیر دوپٹے کے دلہن کے لباس میں دیکھیں گی تو انہیں تکلیف ہو گی۔۔اس کا احساس مجھے ہو گیا لیکن تمہیں نہیں ہوا۔تم جو ماں سے محبت کے دعوے کرتی ہو۔۔بھلا جن سے محبت ہو انہیں بندہ تکلیف دے سکتا ہے؟نہیں نا؟ لیکن تمہیں یہ عقل نہیں آئی۔''وہ اس کی غصیلی نظروں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بول رہا تھا۔۔''جانتی ہو کیوں؟۔صرف اور صرف اس لیے کہ تمہیں بولنے اور لڑنے سے فرصت ہی نہیں کہ تم کچھ سوچ سکو۔۔اور احساس کے لئے سوچنا بہت ضروری ہے۔۔''

وہ بنا کوئی لحاظ کیے بولتا جا رہا تھا وہ ساری بات سن کر لفظ ان چاہی اور بیوی دونوں پہ تپ گئی۔''اے مسٹر آئیں بائیں شائیں! ایک تو میں آپ کو سمجھا رہی ہوں کہ میری چپ کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں۔۔اور سیدھے سیدھے مجھے آپ کہہ کر مخاطب کریں مجھے اجنبی لوگوں کی لمبی زبان سے تم سننا بالکل پسند نہیں۔۔سمجھے آپ؟ اور یہ بیوی شیوی کیا ہوتی ہے؟ میں نہیں ہوں کسی کی بیوی شیوی۔۔صرف ایک کاغذ پر سائن کیا ہے وہ بھی بیمار ماں کی خواہش پوری کرنے کے لئے۔۔اور میرے خیال میں اسے شادی نہیں کہتے۔۔بلکہ مجبوری کا سودا کہتے

ہیں۔۔اور ماں کی خوشی اور سکون کے لیے مجھے یہ سودا کرنا پڑا ہے۔" وہ کمرے سے نکل رہا تھا اور سارا اس کے پیچھے پیچھے چلتی جا رہی تھی اور ساتھ ہی دل کے پھپھولے بھی پھوڑتی جا رہی تھی۔"

اس نے آگے چلتے ہوئے ایکدم رک کر اسے ملامتی انداز میں گھورا کمرے سے نکل کر وہ لوگ اسپتال کی راہداری میں چل رہے تھے آس پاس لوگ ,نرسز ڈاکٹرز وغیرہ آ۔ جا رہے تھے شہر کا بڑا اسپتال تھا اور ڈاکٹر ولید حسن اسی ہاسپٹل میں کام کرتا تھا آتے جاتے لوگوں میں سے کچھ اسے مسکرا کر دیکھ رہے تھے کوئی ہاتھ ہلا رہا تھا یوں کہ جیسے وہ اس اسپتال کی مشہور یا لوگوں کی پسندیدہ شخصیات میں سے ایک ہو۔" مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے آپکو۔۔۔تم کہنے کا۔۔۔نہ آپ کو بیوی کہنے اور سمجھنے کا۔۔۔ مجھے یوں ہی رحم آ گیا تھا کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ میں بہت رحم دل واقع ہوا ہوں میں نے سوچا بے چاری کی ماں بیمار ہے تو چلو اس طرح خوش ہو جائے گی۔سن رکھا ہے کہ خواتین عموماً اس طرح کی باتوں سے خوش ہوتی ہیں۔۔۔یہ رشتہ میرے لیے بھی سو فیصد ان چاہا ہے۔۔مگر آپ کے لیے۔۔۔تو لاٹری ہی ہے جو نکل بھی آئی ہے۔۔۔ایک خوبصورت سمارٹ اور اچھے خاندان کا لائق فائق ڈاکٹر یوں اچانک مل گیا ہے آپ کو۔۔۔اس سے بڑی خوشی اور کیا ہوتی ہے؟ ایک درمیانے درجے کی شکل و صورت اور درمیانے سے بھی کم عقل اور دماغ والی لڑکی جس کو اپنی زبان پہ کنٹرول بھی نہ ہو۔۔۔کے لیے؟" اس کے الفاظ تھے یا تیز دھار والا کوئی ہتھیار۔۔۔جیسے ماچس سے آگ لگتی ہے اسی طرح اسے اس کے لفظوں نے اور طنزیہ لہجے نے جلا دیا تھا اپنے تن بدن میں عجیب سی آگ بھڑکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔طویل راہداری کے اختتام پہ آئی سی یو وارڈ تھا۔۔۔۔وہ اس کی جلی بھنی باتیں ان سنی کرتے ہوئے تیزی سے بھاگتی ہوئی دروازے تک پہنچ گئی۔" سنیے! جب سے اس نے اعتراض کیا تھا وہ اسے آپ کہہ کر بلا رہا تھا۔۔" آنٹی کے سامنے عادت کے مطابق رونا دھونا نہیں ہے ان کی حالت تشویشناک حد تک خراب ہے اور انہیں خوش رکھنا ہے۔۔زندگی کی طرف واپس لانے کے لیے۔۔۔اوکے؟"

اس کی پیٹھ تھی ولید حسن کی طرف دروازے کی طرف منہ کیے ہوئے اس نے اپنے آنسو آستین سے پونچھ لیے اور کسی معصوم بچے کی طرح اس کی ہدایات پہ۔۔۔اثبات میں سر ہلا دیا لرزتے قدموں سے اندر پہنچ کر اس نے ماں کا بیڈ تلاش کرنے کے لیے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں ہر عمر کے مریضوں کو اس پاس ڈاکٹرز اور نرسز کے رحم

وکرم پہ پڑے دیکھ کر اسے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔۔۔۔۔"مما! اس نے جھک کر آنکھیں بند کیے لیٹی ماں کے ماتھے پہ اپنے جلتے ہوئے ہونٹ بہت نرمی اور آہستگی سے رکھے تو اس کے جذبات کی حدت نے انہیں جگا دیا۔۔۔وہ نشہ آور دواؤں کے زیر اثر بوجھل پلکیں بمشکل اٹھا کر اسے دیکھنے لگیں انہیں آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا۔۔اور اس حالت میں انہیں دیکھنا۔۔سارا کے دل پہ چھریاں چلا رہا تھا لیکن وہ اپنے جذبات ظاہر نہ کرنے کی پابند تھی اور یہ پابندی اس نے خود پہ ابھی آئی سی یو کے دروازے پر ہی لگا دی تھی۔

"مما آپ ٹھیک ہو جائیں گی تو ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہم ماں بیٹی عمرے کے لیے جائیں گے آپ نے کہا تھا نا کہ اکٹھے اللہ کا گھر دیکھنے جائیں گے۔۔۔اکٹھے حرم پاک کی چوکھٹ پہ کعبے شریف کے سامنے سر سجدے میں جھکائیں گے۔۔آپ تو وعدے کی بہت پکی ہیں نا؟ وعدہ خلافی نہیں کرنی اب او کے۔؟"

وہ ان کے کنولہ لگے ہاتھ کو نرمی سے پکڑ کر دھیرے دھیرے سہلا رہی تھی۔۔۔انہیں بے زبان خامشی اپنی محبت کا احساس دلا رہی تھی۔۔وہ پیچھے کھڑا ان کی فائل کی طرف متوجہ تھا یکا یک وہ ماں کی آنکھوں کے خاموش سوال کا جواب دینے اٹھی۔۔اور اس کے پاس کھڑے ہو کر حیران سے ولید حسن کا ہاتھ پکڑ لیا۔"مما جان میں بہت خوش ہوں۔۔ڈاکٹر ولید حسن بہت الگ طبیعت کے انسان ہیں۔دیکھ لیں چند ہی گھنٹوں میں۔ہم دونوں ایک دوسرے کا سہارا بن چکے ہیں۔۔۔دیکھیں نا یہ رات کے اس پہر میرے ساتھ ساتھ ہیں اور یونہی ہمیشہ رہیں گے بھی۔"اس کی بھیگی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے لیکن وہ ماں پہ یہ ہی ظاہر ہونے دے رہی تھی کہ یہ آنسو کسی دکھ یا پچھتاوے کے نہیں ہیں بلکہ خوشی اور اطمینان کے ہیں۔۔۔حالانکہ وہ اس شخص کے لیے کوئی نرم گوشہ کوئی کومل سا احساس اپنے دل میں محسوس نہیں کر رہی تھی۔۔بلکہ بے زاری اور بے دلی ہی اس کے من کی مکین تھی۔۔۔ولید حسن بے یقین نظروں سے۔۔۔چند پل تو حیران سا منہ کھولے اسے گھورے جا رہا تھا لیکن جلد ہی وہ صورت حال کی تہہ تک پہنچ کر خود بھی اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کی کوشش کرنے لگا۔۔

"جی آنٹی آپ بالکل بے فکر ہو کر آرام سے سو جائیں۔۔۔ہم آپ کے قریب ہی موجود ہیں اور اس پاگل لڑکی کی طرف سے بھی اب آپ بے فکر ہی رہنا۔۔۔یہ اب سو فیصد میری ذمہ داری ہے آپ نے بہت اٹھا لیے اس کے لاڈ اب مجھے بھی تو موقع دیں ناں۔"اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔۔"کل ڈاکٹر ابراہیم آ رہے ہیں

ہمارے بہت سینئر سرجن ہیں وہ۔۔۔ان شا اللہ جلد ہی وہ آپریشن کریں گے اور آپ بالکل پہلے جیسی شگفتہ آنٹی نظر آنے لگیں گی صحت مند اور مضبوط۔" اس کی تسلی سے وہ کافی پرسکون نظر آنے لگی تھیں۔۔انہوں نے اپنی دواؤں کے زیر اثر بوجھل آنکھیں اطمینان سے موند لی تھیں انہیں اس حال میں بھی بیٹی کی فکر لگی ہوئی تھی مگر اب شوہر کے ہاتھ میں پکڑے اس کے ہاتھ کو دیکھ کر ان کی ساری پریشانی ختم ہو گئی تھی۔۔۔

ولید حسن نے شگفتہ عزیز کو آنکھیں بند کرتے دیکھ کر اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ جلدی سے یوں کھینچ لیا جیسے کرنٹ۔۔۔لگنے کا ڈر ہو اور موبائل فون نکال کر اسے دیکھاتے ہوئے سرگوشی میں بولنے لگا۔"مس فجر کی یہ شاید دسویں کال ہے۔۔۔وہ لوگ گھر میں پریشان ہو رہے ہوں گے اسی لیے تو بار بار کال کر رہی ہیں۔"

سارا اپنا موبائل وہیں بھول آئی تھی۔۔۔اور فجر اور اس کی فیملی شیداں وغیرہ سب یقیناً منتظر ہوں گے کہ انہیں کوئی خبر ملے جبکہ آپا اور اسد بھائی کو اس نے ساری صورت حال بتا دی تھی "اوہ__انہیں تو یہ بھی پتا نہیں کہ ہم کس ہسپتال میں ہیں" وہ بڑبڑائی۔

"میرا خیال ہے آنٹی کو اب آرام کرنے دیا جائے۔۔اور آپ باہر آجائیں"

وہ الوداعی نظروں سے بے خبر پڑی ماں کے چہرے کو دیکھتی ہوئی وہ آہستہ اور تھکے قدموں سے باہر نکل آئی۔۔۔وہ دونوں باہر نکل کر کھڑے ہو گئے تھے۔"مس سارا آپ ایسا کریں کہ۔۔باہر گیٹ پر رکیں میں گاڑی لاتا ہوں اور آپ کو گھر چھوڑ آتا ہوں۔۔میں نے آپا اور بھائی جان سے بات کر لی ہے وہ لوگ اپنے گھر میں ہیں۔۔میں رات آنٹی کے پاس رکتا ہوں۔۔۔میری چھٹی ہے لیکن میں تو عام حالات میں بھی رات بھر ڈیوٹی کا عادی ہو جبکہ آپ کے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔۔۔کیونکہ کل ان شاء اللہ تعالیٰ آنٹی کا آپریشن ہے آپ کو تازہ دم ہونا چاہیے۔۔۔آپ آرام کر لیں اور پھر صبح میں آپ کو لینے کے لیے آجاؤں گا" وہ گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بڑے سنجیدہ اور ذمہ دارانہ انداز میں اسے کہہ رہا تھا وہ اس کی بات سن کر گھبرا گئی۔

"نہیں میں ہرگز نہیں جاؤنگی میں اپنی ماں کے پاس ہی رہوں گی۔۔۔گھر جا کر بھی مجھے نیند تو بالکل بھی نہیں آئے گی شاید آپ کو اندازہ نہیں مگر ہم دونوں ماں بیٹی کا ایک دوسرے کے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے۔۔۔اتنے برسوں سے کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ میں_ یا میری ماں گھر میں اکیلے رات گزارنے پر مجبور ہوئے ہوں۔۔ہم

دونوں جہاں جاتے تھے اکٹھے ہی جاتے تھے۔۔اور ایک دوسرے کو کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑا۔۔یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ماما ہاسپٹل میں اس حالت میں پڑی ہوں اور میں آرام سے گھر جا کر سو جاؤں؟

وہ رندھی ہوئی آواز کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ولید حسن کی آنکھوں کے سامنے یہ سب سن کر وہ اداس راتیں آ گئیں۔۔جب آپا کی شادی ہوئی تھی اور اسے گھر میں اکیلا رہنا پڑا تھا۔۔۔وہ مرد ہو کر بھی رات میں کئی کئی بار اٹھتا اور سسک سسک کر روتا تھا۔۔کئی ہفتوں بلکہ مہینوں لگ گئے تھے۔۔۔اسے واپس پر سکون نیند لینے کے لیے۔۔جس بہن نے اسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑا تھا وہ۔۔۔بہت مجبور ہو کر شادی کے بعد اسے اکیلا چھوڑ گئی تھی۔۔۔بہن کے ساتھ باقی سب نے بھی اصرار کیا تھا کہ وہ بھی بہن کے گھر میں رہے لیکن اس کی غیرت یہ بات گوارا نہیں کرتی تھی کہ وہ بہن کے در پر پڑا رہے حالانکہ اس کے بہنوئی بہت اچھے انسان تھے۔۔لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر کوئی اسے یہ طعنہ دے کہ تم بہن کے گھر پر رہتے ہو۔۔اسی لیے کئی راتیں تنہا اداس گزارنے کے بعد بالآخر وہ حالات سے سمجھوتہ کرنے کے قابل ہو ہی گیا تھا۔۔۔آپا کی تڑپ اور بے قراری بھی اسے اچھی طرح یاد تھی اک ماں کی طرح وہ وہاں تڑپتی رہتیں کہ ولید نے کچھ کھایا کہ نہیں وہ ڈر تو نہیں رہا اسے کسی چیز کی ضرورت ہو گی وہ ان دنوں کی تلخیوں کو محسوس کر رہا تھا۔۔اور اب اسے اپنے سامنے سسکتی بلکتی بھیگی آنکھوں والی یہ پاگل سی لڑکی۔۔۔غصہ دلائے جا رہی تھی۔۔۔

"آپ کا دماغ شاید ایسے کام نہیں کر رہا۔۔دیکھئے یہ بہت بڑا ہاسپٹل ہے اور یہاں کا عملہ بہت ہی ذمہ دار ہے۔۔یہاں پر آئی سی یو کے مریضوں کے پاس کسی کو نہیں جانے دیا جاتا۔۔آپ ان کے پاس اندر نہیں رہ سکتیں۔۔تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ آپ ہسپتال کے ایک کمرے میں سو رہی ہوں یا اپنے گھر میں؟ یہاں کئی مریض ایسے موجود ہیں جن کی ڈاکٹر ولید سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے لیکن پھر بھی انکے گھر والے مطمئن ہو کر رات کو گھر چلے جاتے ہیں کیونکہ ان کو اسپتال کے عملے پر پورا بھروسہ ہے۔" وہ تیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔۔۔وہ پریشان سی انگلیاں مروڑتی ہوئی اس لڑکی کو غصے سے دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔۔۔آپا آپ نے کہاں پھنسا دیا یہ تو عقل سے بالکل ہی پیدل ہے۔☆

"ہونہہ___ آج کل کے ڈاکٹر___ میں جانتی ہوں ان ڈاکٹرز کی اصلیت مجھے سب پتہ ہے۔۔۔جن

بیماروں کو ان کی ضرورت ہوتی ہے انہیں یہ کہہ کر گھر بھیج دیتے ہیں کہ آپ بالکل ٹھیک ہیں۔۔۔اور جن کو ان کی ضرورت نہیں ہوتی جو بالکل ٹھیک ہوتے ہیں انہیں پیسوں کے لیئے اسپتال میں رکھ لیتے ہیں۔۔۔آئے دن بے چارے غریب لوگوں کے گردے نکال کر بیچ دیتے ہیں۔۔۔مجھے بتائیں یہ کون سی خدمت ہے انسانیت کی کہ غریب کا گردہ نکال کر امیر کو لگادو پیسوں کے لالچ میں؟''

اس کی باتیں اور لہجہ دونوں زہریلے تھے لیکن وہ یہ زہر خاموشی سے پی گیا۔۔۔کیونکہ اس وقت اس بے وقوفوں کی طرح پٹر پٹر ڈاکٹرز کے خلاف بولتی یہ لڑکی اسے قابل رحم لگ رہی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا اپنے پیشے کے دفاع میں کوئی صفائی پیش کرتا وہ پھر بول پڑی ''اور ہاں مسٹر آئیں بائیں شائیں آپکو تو بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے۔۔لڑکیوں سے۔۔بندہ اس طرح بات کرتا ہے جیسے آپ؟ وہ اسے دیکھتے ہوئے تلخ لہجے میں پوچھ رہی تھی'' یہ بات آپ شاید نہ جانتے ہوں لیکن میرے جاننے والے سبھی جانتے ہیں کہ میں انتہائی ضدی قسم کی لڑکی ہوں۔۔۔آپ کے لیے صرف یہ نصیحت کے اب آپ اپنی انرجی ضائع نہ کریں یہ بات سمجھانے میں کہ مجھے گھر جانا چاہیے۔۔کیونکہ میں اپنی ماں کو چھوڑ کر ہرگز ہرگز گھر نہیں جاؤں گی۔۔۔میں صاف لفظوں میں آپکو بتا رہی ہوں کہ مجھے نہ ڈاکٹرز پہ بھروسہ ہے نہ باقی عملے پر سمجھے آپ؟ وہ فیصلہ کن انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولی تو ڈاکٹر ولید حسن نے بھی تھک کر بالآخر ہار مان لی۔۔۔

''اسی لیے میں آپا سے۔۔۔آخری وقت تک یہی کہتا رہا کہ مجھے یہ پاگل لڑکی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔جو بھرے ہوئے ریستوران میں جاہلوں کی طرح چکن کی ہڈی ہاتھ میں لے کر کسی اجنبی کی میز پہ جا کر اس شریف انسان کی توہین کر سکتی ہے۔۔۔وہ یہ ہی سوچ سکتی ہے کہ وہ سامنے نہ ہوئی تو اس کی بیمار ماں کا گردہ نکال کر بیچ دیا جائے گا۔۔۔لیکن میری دشمن میری اپنی بہن ہی بن گئی تھیں۔۔۔۔انہوں نے مجھ پر جذباتی دباؤ ڈال کر یہ ناگوار فریضہ ادا کروا ہی لیا ولید حسن کا لہجہ بہت انسلٹنگ تھا۔

''معاف کیجیے گا ڈاکٹر صاحب ہماری طرف بھی بالکل یہی حساب کتاب تھا۔۔میں نے بھی بیمار ماں کی خواہش پوری کی ہے اور مجھے بھی نہ آپ میں اور نہ اس سے کاغذی رشتے میں کوئی دلچسپی ہے۔'' وہ ادھار رکھنے والوں میں سے نہیں تھی۔

"جی جی بالکل کیونکہ آپ کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ اب کسی سنجیدہ اور بردبار انسان کی زندگی میں آنے کے لائق ہی نہیں ہیں" اب کہ ولید حسن نے بھی زہر اگلا۔۔ "۔۔آپ کے لئے تو آپ جیسا ہی کوئی پاگل دیوانہ مناسب تھا۔۔۔" وہ اس کی یہ بات سن کر تقریباً اچھل ہی پڑی مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی۔۔وہ پھر سے اپنی بات وہیں سے شروع کر کے بولا "سب نصیب کے کھیل ہیں یا پھر ہماری مجبوریاں۔"

"مجھے آپ سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنی آپ بہانے بہانے سے یہ ذکر کیوں چھیڑ رہے ہیں؟ اور کوئی پاگل ہو یا دیوانہ میں اپنے جیسا اپنے لیے خود ہی ڈھونڈ لوں گی آپ کو میری فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" ولید حسن کو اس کی یہ بے باکی بہت تپا گئی۔۔لیکن وہ اسے صرف غصے سے گھور کر رہ گیا۔وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے ایک دوسرے پر چوٹیں کرتے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے جا رہے تھے۔۔ڈاکٹر نوفل نے انہیں دیکھ کر دل ہی دل میں سراہتے ہوئے سوچا یہ دونوں ساتھ ساتھ کتنے پیارے لگ رہے ہیں ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہوں۔

"ڈاکٹر نوفل آپ ذرا یہ سب سنبھالیں میں آتا ہوں" اس نے نوفل کی جائزہ لیتی نظروں سے گھبرا کر جلدی سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔۔۔"

کمرے میں آ کر وہ بیڈ پر نیم دراز ہو گئی تھی۔۔صبح سے بیٹھے بیٹھے اس کی کمر اکڑ چکی تھی۔۔مما نے خاص طور پر اسے ہر کام سے منع کر رکھا تھا کہ آج نکاح کا دن ہے آج تو چپکی بیٹھی رہنا۔ "میرا خیال ہے اب آپ یہاں سے چلے ہی جائیں تو بہتر ہے۔" وہ ناگواری سے اسے صوفے پہ بیٹھے دیکھ کر بولی"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر موبائل اسے پکڑاتے ہوئے بولا مجھے بھی اس کمرے میں آپ کے سامنے بیٹھتے ہوئے کچھ اچھا محسوس نہیں ہو رہا۔۔۔لیکن میری کمزوری ہے کہ میں احساس ذمہ داری نبھانے والا انسان ہوں۔۔۔آپ والے معاملے میں شاید یہ کمزوری ہے۔۔۔لیکن ویسے اسے طاقت یا خوبی کہا جاتا ہے۔۔یہ لیے آپ تو نجر اور شیداں سے بات کر لیں" وہ اس کے ہاتھ سے فون لے کر نمبر ملانے لگی۔

☆......☆......☆

ساری رات ہسپتال کے اس کمرے میں اسکی بے خواب آنکھیں نیند کا رستہ تکتی رہیں۔۔لیکن نیند رستہ بھول

کر بھی اس کی آنکھوں کے دریچوں تک نہ آئی۔۔وہ کروٹیں بدل بدل کر ماں کی زندگی اور صحت کیلئے دعائیں مانگتی رہی تہجد کے وقت اٹھ کر اس نے جائے نماز الماری سے نکالی اور سجدے میں جھک کر خوب روتی رہی ۔۔یہاں تک کہ سارے درد آنسوؤں میں بہہ گئے۔۔اور وہ اپنے رب کے حضور سارے دکھڑے کہہ کر پرسکون ہوگئی تھی جائے نماز تہہ کر کے رکھتے ہوئے اسے اپنا وجود بالکل ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔جانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ چپکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔۔دیکھتی ہوں اس ڈاکٹر آئیں بائیں شائیں کو یقیناً نرسوں سے گپیں لگا رہے ہوں گے رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں گے تو زیادہ شو بھی نہیں ماریں گے اپنی مسیحائی پہ۔۔۔

آئی سی یو کے دروازے کے سامنے پہنچ کر اس نے دیکھا کہ نیم تاریک کاریڈور میں بالکل خاموشی اور سکون تھا۔شاید سبھی لوگ سو رہے تھے نسبتاً ایک پرسکون گوشے میں صوفے پر پاؤں اونچے کر کے بیٹھا کوئی شخص تلاوت میں مصروف تھا۔سارا نے آنکھیں ملتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔۔اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب جا کر کھڑی ہوگئی۔۔اس شخص نے سر اٹھایا تو وہ حیرت کے مارے وہ ساکت سی رہ گئی۔"آپ؟" اسے حیرت کا جھٹکا خوب زور کا لگا تھا۔"ولید حسن نے اطمینان سے قرآن پاک بند کیا اور دعا مانگ کر منہ پر دونوں ہاتھ پھیرے۔۔قرآن پاک کو سینے سے لگا کر کھڑا ہوگیا۔

"جی محترمہ یہ میں ہی ہوں۔۔سوچا آنٹی کے خیال کے لیے ادھر ہی موجود رہوں۔۔اور ان کو دعاؤں کی بھی بہت ضرورت ہے۔۔کچھ دیر پہلے ان کی طبیعت بہت بگڑ گئی تھی اور وہ شدید درد میں تڑپ رہی تھیں۔دواؤں کے زیر اثر انہوں نے آرام کر لیا تھا لیکن جیسے ہی دواؤں کا اثر ختم ہوا انہیں دوبارہ بہت شدید درد ہونے لگا تھا۔۔اللہ کا شکر ہے ڈاکٹر ابراہیم سے میرا کنٹیکٹ ہوگیا ہے۔۔اور انشاءاللہ تعالیٰ وہ صبح تک ہاسپٹل آجائیں گے وہ کل ہی یورپ کے دورے سے واپس پہنچے ہیں اور میری خصوصی درخواست پر اتنا جلدی جوائن کر رہے ہیں"

اور کوئی وقت ہوتا تو وہ کچھ کہتی لیکن ماں کی تکلیف کا سن کر سارا کو یوں لگا کہ جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں پکڑ کر مروڑ دیا ہو۔۔اس کی زرد متغیر رنگت دیکھ کر ولید حسن کو اس پہ ایک بار پھر سے ترس آنے لگا۔"ڈاکٹر صاحب اب مما کی حالت کیسی ہے؟"اس نے پہلی بار مسٹر آئیں بائیں شائیں نہیں کہا تھا۔۔ورنہ تو اب تک کی ملاقاتوں میں جب بھی اس سے مخاطب ہوئی تھی تو مسٹر آئیں بائیں شائیں۔نام لے کر ہی اسے پکارا تھا۔

''اب ماشاء اللہ ان کی حالت بہت اچھی ہے انجکشن لگا دیے ہیں۔۔اور وہ صبح تک آرام سے سوئیں گی تکلیف کے عالم میں جب میں ان کے پاس تھا وہ بار بار آپ کا پوچھ رہی تھیں۔''

''تو آپ مجھے آکر بتا دیتے میں تو ویسے بھی سوئی نہیں تھی۔۔کسی بیٹی کو نیند کیسے آسکتی ہے جب پہلی بار اس کی ماں اس سے دور ہو اور وہ بھی اس حالت میں۔'' اس نے افسردگی سے آئی سی یو کے بند دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''جی نہیں یہاں پہ نرسز بہت ذمہ دار ہیں سسٹر نبیلہ تو بہت محنتی اور احساس والی ہیں۔۔کئی سال سے ان کی ڈیوٹی آئی سی یو میں ہی ہے باقی نرسیں آتی جاتی رہتی ہیں لیکن نبیلہ بہت دل سے مریضوں کی خدمت کرتی ہیں۔۔بہت دعائیں ہیں ان کے نصیب میں۔۔'' اس نے دیکھا نازک سی وہ لڑکی ہیمپرز کا پیکٹ لے کر اندر جا رہی تھی۔ ''سسٹر نبیلہ میں بھی کچھ دیر آرام کرنا چاہ رہا ہوں یقیناً آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں کہ آپ آنٹی کا خیال رکھنا کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ کے لیے ہر مریض وی آئی پی ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر ولید کے منہ سے نکلی تعریف پہ وہ مسکراتی ہوئی یہ کہہ کر اندر چلی گئی۔ ''سر آپ بے فکر ہو کر سو جائیں۔۔میں کچھ مریضوں کے ہیمپر تبدیل کرتی ہوں پھر بالکل فراغت ہے آپ کی آنٹی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی۔''

وہ دونوں اب اکیلے تھے۔۔وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی رات کے اس پہر یہ نازک سی لڑکی مریضوں کو کروٹ بدلوانے ہیمپر تبدیل کرنے اور دیگر سارے کاموں میں مصروف ہر رات جاگ کر گزارتی ہو گی۔۔حالانکہ یہ مجبور اور بے بس لوگ اس کے کچھ نہیں لگتے تھے لیکن فرض شناسی کے سارے تقاضے بھی تو پورے کرنے ہوتے ہیں۔۔۔

وہ اسے گم صم کھڑے دیکھتا رہا پھر بولا ''اچھا آپ جا کر کچھ دیر آرام کر لیں۔۔صبح ہوتے ہی آپ کو آنٹی کے ساتھ رہنا ہو گا۔۔''

''پلیز میں ایک نظر ماں کو دیکھنا چاہتی ہوں'' اس نے اپنی عادت کے خلاف منت بھرے انداز میں کہا تو سدا کے رحمدل ولید حسن کے دل میں بھی ہمدردی کے جذبات جاگ اٹھے اور اس نے خاموشی سے دروازہ کھول کر اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔اس نے دیکھا کہ وہ ماں جو اس کے سونے کے بعد ہی سویا کرتی تھیں حالانکہ وہ

کہتی بھی تھی کہ مما آپ نے صبح جلدی کام پر جانا ہے آپ وقت پہ سو جائیں میں تو صبح دیر سے اٹھوں گی کیونکہ میری چھٹی ہے۔ لیکن شگفتہ مسکرا کر اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہتیں میں تم سے پہلے کیسے سو سکتی ہوں۔۔ مجھے تمہارے بچپن سے ہی یہ منظر بہت بھاتا ہے جب تم بے فکر ہو کر پڑی ہوتی ہو۔۔اور جتنی تم مجھے سوتے میں اچھی لگتی ہو میں وہ لفظوں میں بتا نہیں سکتی۔'' اچھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں آپ کو جاگتے میں زیادہ اچھی نہیں لگتی۔۔۔ وہ منہ بنا کر کہتیں تو مما ہنسنے لگ جاتیں تھیں۔'' مما جانی! پلیز واپس آجائیں نا مجھ سے یوں جیا نہیں جا رہا۔۔ میں مر جاؤں گی آپ کے بغیر'' وہ بے خبر لیٹی مما کے بیڈ کی پٹی سے ماتھا لگائے زمین پہ بیٹھی ہوئی تھی۔

ولید نے دوسری مریضہ کی خدمت میں مگن سسٹر نبیلہ کی طرف دیکھا اور پھر مڑ کر اس پہ اک نظر ڈال کر اسے پریشانی سے دیکھنے لگا۔'' پلیز اٹھیں یہاں سے۔'' ولید حسن نے جھجکتے ہوئے اسے کندھے سے پکڑ کر اٹھایا۔ اسے اپنی ماں کی جدائی کے لمحات یاد آ رہے تھے۔۔ لیکن اسکے اور ولید حسن کے کیس میں یہ فرق تھا۔۔۔ اسے ماں کے مرنے کے بعد ماں جیسی بہن کا سہارا مل گیا تھا۔۔ اس کی ماں جائی نے اسے ماں بن کر سینے سے لگا لیا تھا اور وہ ماں کی ممتا بھری آغوش جو اسے اک پل کے لیے دور ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھی وہ ماں کی تدفین سے پہلے ہی اسے واپس مل گئی تھی۔۔ جب آپا نے روتے ہوئے اسے کلیجے سے لگا کر کہا تھا۔'' ولید میں آپا نہیں اب تیری اماں ہوں۔۔ تو بے شک مجھے کہنا آپا مگر سمجھنا ہمیشہ مجھے اماں ہی۔''

وہ آنسو پونچھتی ہوئی ماں کے مقدس چہرے پہ اک الوداعی نظر ڈال کر باہر نکل آئی۔۔ وہ چپ چاپ کمرے میں آ گئی تھی۔'' کمرے میں دو بیڈ پڑے تھے وہ دوسرے بیڈ پہ بیٹھ گیا تھا۔۔ میں ایک گھنٹہ آرام کرنا چاہتا ہوں۔۔ کیونکہ صبح آنٹی کا آپریشن ہے اور آپکے ساتھ ساتھ مجھے تازہ دم ہونا چاہیے۔۔ اردلی سو رہا ہے ورنہ ایک کپ چائے کی شدید طلب ہو رہی ہے اور اس وقت میس میں بھی کچھ نہیں ملتا اور اگر مل بھی جاتا تو وہاں کچھ اچھا نہیں پکتا چائے تو اتنی بکواس کہ بتا نہیں سکتا۔'' وہ اسے حیران نظروں سے دیکھتی جا رہی تھی۔ اور دل ہی دل میں وہ یہ سوچ رہی تھی کہ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا رہا ہے۔'' مس سارا! میں آپکو یہ سب اس لئے بتا رہا ہوں کہ جب۔۔ نہ کھانا ملے اور نا چائے ملے تو شدید بھوک کے عالم میں بندہ کھانے اور چائے کی باتیں ہی کر کے دل

خوش کر لیتا ہے۔" اس کی بات سن کر سارا کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیل گئی لیکن ولید سے چھپانے کے لیے اس نے منہ نیچے کر لیا۔

"آپ سو جائیں کمرے میں مجھے تو عجیب سی بے چینی لگی ہوئی ہے۔۔کئی بار فجر نے کہا کہ میں اسپتال میں تمہارے پاس آ کر رکتی ہوں لیکن میں نے اسے منع کر دیا کہ صبح آ جانا۔۔وہ ہوتی تو باتیں کر کے وقت گزار لیتی۔"

اس کے یوں کہنے پہ وہ اسے طنزیہ نظروں سے دیکھ کر بولا۔"ہاں ابھی تو آپ جیسے چپ ہیں ناں؟ باتیں کرنے کا موقع نہیں مل رہا شاید۔۔لیکن مس سارا آپ جیسی خواتین باتیں کرنے کا موقع یا بہانہ خود ہی ڈھونڈ لیتی ہیں۔" میرے کولیگز اور سٹاف میں سے کسی کو یہ پتہ نہیں کہ میرا آج نکاح ہوا ہے۔۔صرف فیملی کے کچھ لوگ ہی نکاح کے لیے آئے تھے۔۔میں نے سوچا میرے لیے کون سا یہ خوشیوں اور مسرتوں کا موقع ہے کہ میں دوستوں میں مشہوری کرتا پھروں۔"

بنا یہ سوچے کہ اسے یہ بات بری لگے گی وہ اپنی رو میں بولے جا رہا تھا۔۔آپ سوچ رہی ہوں گی کہ پھر میں شام سے جو آپ کے ساتھ ہوں تو یہ معمول کی بات تو نہیں ہے پھر ہاسپٹل میں کیا کہہ کر آپ کے بارے میں سوالات کا جواب دیا ہو گا۔۔تو میں نے ان سے یہ کہہ دیا ہے کہ میری کزن ہو آپ اور آنٹی کا کہا کہ میری خالہ ہیں۔اور بیٹی کی منگنی کے دن ہی ان کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔"

وہ چادر اپنے شانوں پہ ٹھیک کرتی ہوئی تیزی سے پیچھے مڑی اور اس کی طرف دیکھ کر جلے بھنے انداز میں بولی۔"اے مسٹر آئیں بائیں شائیں؟ مجھے کہتے ہیں کہ میں باتیں بہت کرتی ہوں۔۔حالانکہ آپ جیسے مرد حضرات نے تو خواتین کو بھی پیچھے چھوڑا ہوا ہے اس معاملے میں۔۔میری بلا سے آپ اپنے کولیگز اور سٹاف کو میرے بارے میں کیا کہتے ہیں۔۔آپ کے لیے خوشی اور مسرت کا موقع نہیں ہے نا؟ تو کرتے رہیے ماتم." وہ بات ختم کر کے تیزی سے دروازے سے باہر نکل گئی۔

سپیدہ سحر نمودار ہو رہا تھا اور وہ ہاسپٹل کے لان میں دیگر مریضوں کے رشتے داروں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔۔ایک طرف ایک نازک سی حاملہ عورت کو شاید ڈاکٹرز نے چلنے پھرنے کا کہا تھا بڑا سا پیٹ پکڑ کر وہ ایک

مرد کا ہاتھ پکڑے واک کرتی جا رہی تھی۔۔۔ سارا بینچ پہ بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھی۔۔۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ منہ بسورتے ہوئے رک کر بینچ پہ بیٹھ جاتی اور کچھ دیر بعد مرد اسے منت سماجت کے بعد اٹھانے کی کوشش میں کامیاب ہو جاتا۔

"شوہر ہے میرا۔۔۔ بہت اچھا ہے۔۔۔ میرے سارے دکھ اس کا ساتھ ملنے کے بعد ختم ہو گئے ہیں۔" وہ شوہر کے جانے کے بعد اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ قدرے فربہی مائل بدن اور سرخ و سفید رنگت والی وہ عورت عمر کی تیسویں سیڑھی پہ قدم رکھ چکی تھی لیکن شوہر کے سامنے لاڈیوں کر رہی تھی جیسے پندرہ سولہ برس کی نازک سی دوشیزہ ہو۔ "چوتھا بچہ ہے ہمارا پہلے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔" وہ سارا کو خاموش دیکھ کر چند لمحے اس کے کچھ پوچھنے کا انتظار کرتی رہی لیکن اس کی طرف سے خاموش اور سپاٹ نگاہوں کا جواب پا کر خود ہی تفصیل بتانے لگی۔ "جب بیٹے بھی تھے اور بیٹی بھی تو پھر مزید بچوں کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے وہ سوال کیا کہ جس کے جواب میں اس عورت کا ناگواری سے گھورنا بنتا تھا تبھی اس نے ناگواری سے کہا"۔۔ ماشاءاللہ کھولڑکی ماشاء اللہ ۔۔ اور تم اتنی بڑی ہو گئی ہو تمہیں کسی نے یہ نہیں سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ جس ذی روح کو دنیا میں بھیجنا چاہتا ہے اسے روکنا انسانوں کے بس کی بات نہیں۔۔۔ وہ مالک ہے سارے فیصلے اسی کے ہیں ہم تو بندے ہیں اس کی رضا میں راضی رہنے والے بندے۔" وہ اپنے پھولے ہوئے پیٹ پہ بڑی نرمی سے ہاتھ رکھ کر سہلا رہی تھی۔

"باجی! اللہ نے عقل بھی تو دے رکھی ہے بندے کو۔۔ خاندانی منصوبہ بندی کس مرض کی دوا ہے ایک سے ایک طریقہ علاج ہیں جگہ جگہ منصوبہ بندی مراکز کھلے ہوئے ہیں جو خواتین میں اور مردوں میں بھی آگہی پیدا کر رہے ہیں۔" اس نے وقت گزاری کے لیے بحث شروع کر دی۔

وہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر بولی۔ "اللہ نے عقل دے رکھی ہے اور رب العالمین کے فیصلوں کو عقل سے ہی سمجھا ہے۔۔۔ مجھے تم بتاؤ کہ اگر اللہ کو منظور ہو اور ہم بچے بند کرنے کے علاج کرائیں۔۔۔ دوائیں وغیرہ استعمال کریں اور اس سے بچہ نہ پیدا ہو۔۔۔ مطلب اللہ کی مرضی کے خلاف۔۔۔ نعوذ باللہ۔"

وہ لاجواب ہو کر اس عورت کو دیکھنے لگی۔ "نہیں میں یہ تو نہیں کہہ رہی کہ اللہ کی مرضی کے خلاف یہ سب ہو سکتا ہے۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔۔"

"ارے لیکن وہاں استعمال ہوتے ہیں جہاں بات مشکوک ہو جائے۔۔۔ یہاں تو شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔۔ تو اگر اللہ کو کسی ذی روح کا دنیا میں بھیجنا منظور نہیں تو ہم پھر کیوں اپنے آپ کو گناہگار کریں اور دوائیں استعمال کریں اور اس رب پہ بھروسہ نہ کریں؟"

اس کے سوالات پہ سارا بوکھلاسی گئی تھی اس سے پہلے کہ وہ اسے کوئی جواب دیتی اس کا شوہر چائے کا تھرماس اٹھائے واپس آتا دکھائی دیا اور سارا نے حیرانی سے یہ منظر دیکھا جو عورت پچھلے آدھے گھنٹے سے بڑے آرام سے بیٹھی باتیں کر رہی تھی شوہر کو قریب آتا دیکھ کر بے ساختہ پیٹ کو پکڑ کر ناک چڑھائے ہوئے درد ضبط کرنے کی اداکاری کرنے لگی تھی۔ "جان جی یہ گرم گرم چائے اور پوریاں کھاؤ۔۔ان شاءاللہ تعالیٰ ضرور آرام آئے گا۔" مرد کا خوشامدی انداز سارا کے لبوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ پھیلا گیا۔

وہ دبے قدموں سے واپس آئی تو وہ بے خبر سو رہا تھا۔۔ سارا نے دیکھا کمرے کی لائٹس روشن تھیں اور تیز روشنی میں بھی وہ اتنے مزے سے سو رہا تھا شاید بہت تھکا ہوا تھا۔۔اس کی نظر ولید حسن کے پاؤں پہ پڑی تو وہ حیرت اور ھمدردی سے اسکے پاؤں میں پڑے شوز کو دیکھنے لگی۔۔اس طرح جوتوں کے ساتھ جانے کیسے سو گیا ہے یہ ڈاکٹر صاحب۔۔نہیں نہیں اس نے اپنی ہی بات کی نفی کی۔۔ مسٹر آئیں بائیں شائیں۔"

جانے مما جاگ گئی ہوں گی یا نہیں؟ وہ بے چین ہوگئی۔وہ اسے آواز دے رہی تھی "اے مسٹر اٹھیں صبح کب کی ہوگئی ہے" اس نے۔۔ پھر بھی نہ جنبش کی نہ ہی آنکھیں کھولیں تو سارا نے قریب ہو کر غور سے دیکھا کہ کہیں سانس چل رہی ہے یا نہیں اور اسے یہ سوچ کر ہول اٹھنے لگے کہ ڈاکٹروں کو خطرناک قسم کی بیماریوں میں مبتلا مریضوں سے کوئی بھی خطرناک مرض لگنے کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا ہے۔۔۔ہائے اس بے چارے کو بھی ایسی ہی کوئی موذی بیماری لگ گئی ہوگی اس نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے بے جان پڑے ولید حسن کو دیکھا۔۔ ذرا سا بدتمیز تھا۔۔۔ ولید حسن نامی یہ مرحوم ڈاکٹر اور ذرا سی ڈینگیں زیادہ مارتا رہتا تھا بات بے بات۔۔ ورنہ باقی تو کوئی بڑی خرابی نہیں تھی اس بے چارے میں۔۔۔ ہائے عین جوانی میں گیا۔۔۔اب تو مجھے لوگ بیوہ کہیں گے اس نے کلائی میں پہنی چھ سونے کی چوڑیاں دیکھ کر سوچا اس سے پہلے کہ کوئی جذباتی خاتون میری کلائیوں سے چوڑیاں اتار کر خود پہن لے مجھے یہ چوڑیاں سنبھال لینی چاہیں۔وہ چوڑیاں اتار کر

پرس میں رکھ رہی تھی کہ ولید حسن نے کروٹ بدلی وہ ڈر کے مارے اچھل پڑی لیکن ولید حسن نیند میں ہی اس کی طرف پیٹھ کر کے پھر سے سو گیا۔۔ ہائے ابھی جان باقی ہے۔۔۔ مگر آثار سے لگتا ہے کہ تھوڑی دیر کا مہمان ہے ۔۔اس نے تصور ہی تصور میں اپنی الماری کا جائزہ لیا۔۔ سفید اور کالا جوڑا ڈھونڈا الماری کے نچلے حصے میں۔۔ایک اسٹائلیش سے سفید ساڑھی کالج کے زمانے میں کیے گئے فینسی ڈریس شو کی پڑی ہوئی تھی۔۔لیکن اس ساڑھی پر تو موتی لگے ہوئے ہیں۔۔۔ چلو پہننے کے وقت موتی اتارلوں گی اس نے دل میں سوچا۔۔اچانک کمرے میں میوزک کی آواز گونجنے لگی۔۔ ہیں۔۔؟ یہاں تو موت بھی بینڈ باجے کے ساتھ سج سنور کر آتی ہے۔۔سارا نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔۔تو احساس ہوا کہ ولید حسن کے موبائل میں الارم لگا ہوا تھا۔۔وہ الارم کی آواز سن کر تیزی سے اٹھا۔۔اور بنا اسکا نوٹس لیے واش روم میں گھس گیا۔۔وہ بے وقوفوں کی طرح کبھی واش روم کے دروازے کو دیکھ رہی تھی اور کبھی۔۔ بیڈ پہ پڑے اس کے موبائل کو۔۔" واش روم سے باہر نکلا اور۔۔کسی کو فون کیا۔

"سلمان ناشتہ جتنا جلدی ہو سکے کمرے میں پہنچا دو۔۔۔۔"

دو لوگوں کا چند منٹ میں ناشتہ آگیا اور ناشتہ کے آنے تک اس نے اپنے بال ہاتھوں سے سنوارے۔ سیف میں سے کچھ پرفیوم نکال کر ان میں سے ایک پرفیوم چنا اور سپرے کر کے تازہ دم ہو گیا۔۔اس کی طرف دیکھا تو وہ سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھی ہوئی تھی۔ "سنیں! آپ بھی فریش ہو کر آجائیں کیونکہ جلد سے جلد ناشتہ کر کے۔۔آنٹی کی طرف جانا ہے ڈاکٹر ابراہیم بس پہنچنے ہی والے ہوں گے۔۔"

اس کی حالت بھوک کے مارے بری ہو رہی تھی۔۔اس نے بلا تکلف آملیٹ اور ٹوسٹ کھا کر اوپر سے دو کپ چائے کے بھی پی لیے تھے وہ دلچسپی سے اسے یوں کھاتے ہوئے دیکھ رہا تھا مگر سارا نے اسے نوٹس ہی نہیں کیا۔۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر ابراہیم نہایت ہی گریس فل شخصیت کے مالک تھے۔۔بہت شفیق اور نرم لہجے میں بات کرتے سارا نے جب پہلی نظر ان کو دیکھا تو وہ اسے بہت ہی اچھے لگے اور یہ معجزہ پہلی بار ہوا تھا کہ اسے کوئی ڈاکٹر برا نہیں لگا تھا ان

کی عمر تقریباً پچاس سال کے قریب لگ رہی تھی۔۔دراز قد خوبصورت سرخ سفید رنگت۔۔گہری براؤن آنکھیں اور مسکراتے ہوئے ہونٹ۔۔ان کی مونچھیں اور بال دونوں براون تھے۔۔بالوں میں ہلکی ہلکی سفیدی جھانک رہی تھی لیکن یہ سفیدی ان کی شخصیت کو بہت وقار بخش رہی تھی دو چار باتوں کے بعد۔ولید حسن ڈاکٹر ابراہیم کے ساتھ اندر چلا گیا۔

فجر اور اس کی امی دونوں سارا کے ساتھ موجود تھے۔۔شیداں نے چائے کا تھرماس اور کچھ کھانے پینے کی دیگر چیزیں بھی بھیج دی تھیں۔فجر اور اس کی امی کو دیکھ کر سارا کی جان میں جان آئی تھی اسے اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ اکیلی نہیں ہے۔۔بعد میں ولید حسن کی آپا بھی اپنی شوہر کے ساتھ آ گئی تھیں۔

”تم ذرا بھی فکر نہ کرو سارا انشاء اللہ تعالیٰ اللہ آنٹی کو بالکل ٹھیک کر دے گا۔۔ڈاکٹر ابراہیم بہت بڑے سرجن ہیں انٹرنیشنل لیول کے۔۔یہ تو بہت اچھا ہوا کہ وہ آ گئے۔۔“

”واہ آپا کتنے ڈیسنٹ اور گریس فل ڈاکٹر ہیں۔یہ ڈاکٹر ابراہیم۔“فجر نے ڈاکٹر ابراہیم کو دیکھ کر توصیفی انداز میں کہا۔”آپا کیا ان کا کوئی بیٹا ہے؟“آپا اس کے شرارتی انداز پہ ہنس دیں۔

”نہیں فجر ڈاکٹر ابراہیم کے بارے میں چند باتیں مشہور ہیں۔۔ولید نے ایک دفعہ بتایا تھا کہ ڈاکٹر ابراہیم کو۔۔جوانی میں ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔۔دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے لیکن اس وقت ڈاکٹر صاحب تعلیم میں مصروف تھے وہ میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے۔۔جبکہ لڑکی کی شادی کہیں اور طے ہو گئی تھی۔۔انہوں نے کوشش بہت کی کہ ان کا رشتہ طے ہو جائے شادی تعلیم کے بعد کر لیں گے لیکن اللہ کو منظور نہ تھا سو اس لڑکی کی شادی دوسری جگہ ہو گی۔۔اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ساری توجہ اپنے اس شعبے پہ دی۔۔۔اور کہنے والے کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی ساری زندگی اس شعبے کو دے دی ہے اور دکھی انسانیت کی خدمت کو اپنا اولین نصب العین بنا لیا ہے۔۔وہ دنیا بھر میں۔۔جاتے ہیں لیکن بالآخر لوٹ کر پاکستان ضرور آتے ہیں حالانکہ ان کو دیگر ممالک میں کئی جگہوں پر مستقل رکھنے پہ اصرار ہوتا ہے۔۔لیکن وہ کہتے ہیں کہ میرے ملک کے لوگوں کو میری زیادہ ضرورت ہے۔۔ان کی شادی نہ کرنے کی وجوہات میں سے ایک تو ان کی دیرینہ محبت اور دوسرا اپنے شعبے کے ساتھ کمٹمنٹ ہے۔“

آپا کی بتائی ہوئی تفصیل وہ دونوں بغور سن رہی تھیں۔۔۔ نجانے کیوں سارا کے دل میں ڈاکٹر ابراہیم کے لیے ہمدردی کا ایک طوفان امنڈ رہا تھا۔۔۔ اس نے دل میں سوچا یہ پہلا ڈاکٹر ہے جس سے میں متاثر ہوئی ہوں۔۔۔ اچھے لوگ برے پیشے میں رہ کر بھی اپنی فطرت نہیں بدل سکتے ڈاکٹر ابراہیم کو شگفتہ کی ساری رپورٹس دکھائی گئیں انہیں اس کی حالت کے بارے میں بھی بتایا گیا انہوں نے رپورٹ دیکھ کر آج ہی آپریشن کا فیصلہ کیا۔۔ کیونکہ ہر گزرتا ہوا دن اس بیماری کی شدت میں اضافہ کر رہا ہے اس لیے ہمیں جلد از جلد اس ناسور کو ان کے جسم سے کاٹ کر پھینکنا پڑے گا۔۔۔ وہ ڈاکٹر ابراہیم اور ولید حسن تینوں ولید حسن کے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے۔۔ ڈاکٹر ابراہیم نے سارا کو اندر آتے ہوئے دیکھا تو ایک لمحے کے لیے ساکت سے اسے دیکھتے رہ گئے باہر سارا نے تو انہیں دیکھا بھی تھا اور ان کی باتیں بھی سنی تھیں لیکن انہوں نے سارا کو نہیں دیکھا تھا۔۔ وہ ان کے اس طرح گھورنے پہ بلش سی ہو گئی

"سر! یہ شگفتہ عزیز خان کی بیٹی ہیں۔۔۔"

"مجھے ایسا لگتا ہے بیٹا! جیسے میں آپ سے پہلے بھی کہیں مل چکا ہوں" انہوں نے کھوئے کھوئے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں سر! اگر ہم پہلے مل چکے ہوتے تو مجھے یاد ہوتا کیونکہ میری یادداشت بہت اچھی ہے۔ شاید آپ میری کسی ہمشکل سے مل چکے ہیں"

سارا نے نرمل سے انداز میں انہیں جواب دیا اور ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے سامنے بہت نروس سی ہو رہی تھی۔۔ شاید ان کے بارے میں یہ جان کر کہ وہ کتنے مشہور اور بڑے ڈاکٹر ہیں۔۔ یا ماں کے بارے میں کوئی بری خبر سننے کے خوف سے وہ نروس تھی۔۔ وہ بیٹھتے ہی بے خیالی میں ٹیبل پر پڑے ہوئے بال پوائنٹ کو اٹھا کر دانتوں میں دبا چکی تھی۔۔

اس کی اس بے اختیار حرکت نے ڈاکٹر ابراہیم کو چونکا دیا۔ یکبارگی اس لڑکی کو دیکھ کر انہیں سوچوں کی تند و تیز ہوائیں یادوں کے کچھ بھولے بسرے جزیروں میں گھمانے لے گئیں۔ وہ انہیں مریض کے مرض کے بارے میں اور آپریشن کے بعد کے صبر آزما علاج کے بارے میں بتا رہے تھے۔۔ سارا اور ولید حسن دونوں بغور ان کی باتیں

سن رہے تھے۔۔سارا مسلسل چین کے ڈھکنے کو دانتوں سے کاٹنے میں لگی ہوئی تھی۔۔اسے احساس ہو رہا تھا کہ ماں کے اس تکلیف دہ صورتحال سے گزر رہی ہے اور آئندہ بھی ان کو کن کن مشکلات اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر ابراہیم اپنے کمرے میں اکیلے بیٹھے سوچ رہے تھے۔۔جانے کیوں آج اس لڑکی کو اور اس کے چہرے پہ مسکراہٹ کے ساتھ ہی پڑتے ڈمپل کو دیکھ کر برسوں پرانی یادیں بانہیں کھولے مجھے اپنی آغوش میں لینے کے لیے بے تاب نظر آرہی ہیں۔۔۔وہ بھی تو بالکل ایسی ہی تھی ایسی ہی معصوم ایسی ہی بھولی بھالی اور خوبصورت چھوٹی چھوٹی باتوں پہ گھبرا کر۔۔ہاتھوں میں پکڑا قلم دانتوں میں دبالیتی تھی۔۔کئی بار اسے ڈانٹا تھا کہ دیکھو یہ حرکت چھوٹے بچوں کے ساتھ اچھی لگتی ہے تم اتنی بڑی ہو کر ایسا کیوں کرتی؟" وہ معصومانہ سے انداز میں آنکھیں جھپکتے ہوئے اسے دیکھتی اور کہتی۔"ابراہیم بھائی میں جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کرتی مجھے پتا ہی نہیں چلتا اور مجھ سے بے ساختہ یہی غلطی بار بار ہو جاتی ہے"۔وہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھتا رہتا تھا۔

"تیاری مکمل ہے سر اپیشنٹ کو اینستھیز یا دے دیا گیا ہے۔۔آپ آجائیں"۔

وہ خیالات کی دنیا سے حال میں واپس آئے تو ڈاکٹر ولید حسن سامنے کھڑا تھا۔"تم چلو میں آرہا ہوں"۔

انہوں نے جلدی جلدی تیاری کی اور آپریشن تھیٹر کی طرف چل دیئے آپریشن تھیٹر کے باہر نڈھال سی سارا ایک کرسی پہ بیٹھی ہوئی تھی۔۔اس کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور وہ مسلسل ہلتے ہوئے تسبیح کے دانے گرا رہی تھی۔

"شگفتہ؟۔۔۔شگو!" انہوں نے سامنے بے ہوش پڑی عورت کو دیکھ کر سرگوشی میں پکارا۔

✿......✿......✿

ڈاکٹر ابراہیم کی آنکھوں میں دھند پھیلنے لگی تھی۔۔۔۔وہ شگفتہ کو اس حالت میں دیکھیں گے یہ تو انہوں نے کبھی بھول کر بھی نہیں سوچا تھا اور جو خیال جو گماں بھی۔۔کبھی ذہن کے دریچوں سے جھانکا ہی نہ ہو اسے یوں حقیقت میں سامنے دیکھ کر پیروں تلے سے زمین نکل جاتی ہے۔۔۔۔ان کے پیروں تلے سے بھی زمین کھسک رہی تھی انہیں اپنے پاؤں پہ کھڑے رہنے میں مشکل ہو رہی تھی اور اپنے ڈگمگاتے وجود کو دیوار کا سہارا لینے سے بھی روک رہے تھے کیونکہ جو خود آج تک دوسروں کا سہارا بنتے آئے تھے وہ خود سہاروں کے محتاج ہوں تو دیکھنے والے کیا سوچیں گے؟ یہ خیال انہیں کھڑا رہنے کی ہمت دے رہا تھا۔

وہ اونچی ناک والی شگفتہ جس نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کبھی بڑے اعتماد بلکہ غرور سے کہا تھا۔

''ابراہیم صاحب! پہلے تو یہ خیال دل سے نکال دیں کہ میں کبھی آپ سے ملوں گی کہ کبھی میرا آپ سے سامنا ہوگا۔۔۔لیکن پھر بھی خواہش کی وجہ سے نہیں۔۔۔نہ دعا کی وجہ سے اور نہ ہی کوشش سے ملیں گے۔۔۔اگر زندگی میں زمین گول ہونے کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کے سامنے کبھی آ بھی گئے تو۔۔۔آپ مجھے خوش اور پرسکون دیکھیں گے کیونکہ۔۔۔جو شخص میرا نصیب بننے جا رہا ہے وہ میرے دل کے بہت قریب ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ مجھے دنیا کی ہر وہ خوشی دے گا جس کی میں نے تمنا کی ہے میرے سارے خوابوں کو حقیقت کے روپ میں وہی شخص بدل سکتا ہے۔۔۔کیونکہ اس کے پاس وہ سب کچھ ہے جو کسی بھی عورت کو چاہیے۔'' اس کے لہجے کا یقین اس کی آنکھوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا غرور اور سب سے بڑھ کر اس کی اٹھی ہوئی گردن۔۔وہی نازک سی صراحی دار گردن جس میں کبھی اس نے اپنے نام کا لاکٹ پہنانے کی خواہش کی شدت سے گھبرا کر دعا مانگی تھی کہ

''اے اللہ تو۔۔مجھے وہ حق عطا فرما دے کہ جس کے برتے پہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کے نازک گلے میں اپنے نام کا ہار پہنا سکوں۔''

لیکن دعا مانگتے وقت اسے چھونے اسے اپنے من پسند رنگ میں رنگنے کی آرزو۔۔۔ اسے محرم بنانے یا۔۔۔اس کا محرم بننے کی طلب تو شدت کی تھی لیکن وہ جو قبولیت کا شرف پانے والی دعائیں مانگتے ہوئے

بندے کے دل میں کہیں یقین سا بیٹھ جاتا ہے کہ ہاں یہ اللہ نے سن لی ہے اب پوری بھی ضرور کرے گا۔۔ وہ یقین اس کے وہموں میں گھرے دل میں پیدا نہ ہو سکا۔۔۔اس کے اندر کہیں خالی پن سا تھا اس نے شعوری کوشش کی کہ یہ بے یقینی اپنی موت آپ مرجائے۔۔۔یہ بھی کوشش کی کہ اس بے یقینی کو مار دے قتل کر دے اپنے ہاتھوں سے لیکن پھر۔۔۔بھی دل میں بے اطمینانی اور بے یقینی دونوں پاؤں پھیلائے قابض رہیں۔۔

انہوں نے ساتھ کھڑے ڈاکٹرز اور پیرا میڈیکل سٹاف کو دیکھا وہ سب حیرانگی سے ڈاکٹر ابراہیم کی طرف دیکھ رہے تھے جو چند لمحوں سے ساکت سے کھڑے بے ہوش پڑی مریضہ کو گھورے جا رہے تھے

''سر اینستھیزیا دے دیا گیا ہے مریضہ کو۔۔۔اور ہمارے پاس مزید وقت نہیں ہے ضائع کرنے کے لیے۔'' ڈاکٹر نوفل نے سرجن ابراہیم کو یوں دم بخود کھڑے دیکھ کر یاد دلایا۔

''اوہ اچھا'' انہوں نے چکراتے ہوئے سر اور تڑپتے دل کی تڑپ چھپانے کی کوشش میں ادھر ادھر دیکھا۔۔وہ سوچ رہے تھے ''میرے خدایا۔۔ کیسے اسے دیکھوں اس حالت میں؟ کیسے۔۔۔اسکے جسم کا ایک نازک حصہ زہریلا کہہ کر کاٹ پھینکوں۔۔۔کیسے یہ نشتر اپنے دل پر چلاؤں۔۔۔ ؟وہ جسے اک کانٹا بھی چبھتا تھا تو درد مجھے ہوتا تھا۔۔۔وہ جسے گرم ہوا بھی چھو کر گزرتی تھی تو۔۔۔۔انگ انگ میرا جلتا تھا۔۔وہ جس کے چہرے کو اک سایہ تاریکی کا چھپا لیتا تھا تو میں سورج بن کر اسے اجالے سونپنے چلا آتا تھا خود جلنے والا سورج بننا بھی آسان نہیں تھا لیکن آج جیسی مشکل تو کبھی نہیں آئی میری زندگی میں۔۔۔آج کیسے اسے لہو میں ڈوبا ہوا دیکھوں؟ بہت تکلیف ہو گی اسے بہت درد ہو گا۔۔۔میں یہ درد کیسے اس سے لے لوں؟ میرے پاس تو خوشیاں بھی نہیں۔۔کوئی سکھ بھی نہیں جو اس کے دکھ اس کے درد کے بدلے میں۔اسے دے دوں۔۔۔۔میرے اللہ میرے لیے اس اتنی بڑی آزمائش میں ثابت قدم رہنا ناممکن ہے۔۔خدایا آسان کر دے سب کچھ۔'' انہوں نے ہمیشہ کی طرح رب کی طرف رجوع کیا۔

''سر آپ کی طبیعت خراب لگ رہی ہے کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' سبھی ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں جو سوال کر رہے تھے انہیں الفاظ میں اس بار بھی ڈاکٹر نوفل نے ڈھالا۔

''نہیں میں ٹھیک ہوں ڈاکٹر نوفل!۔۔۔چلیں کام شروع کرتے ہیں دیر سے مریضہ کو دیے گئے اینستھیزیا

کا اثر کم ہوتا جائے گا جو خطرناک بات ہے اور نا قابل برداشت بھی۔"

☆......☆......☆

انہوں نے کیسے آپریشن کیا؟۔۔کیسے سٹیچ کیے، کیسے اس کو زخم لگائے، کیسے اس کے زخم کھلی آنکھوں سے دیکھے، اور گلوز پہ لگا شگفتہ کا خون؟ کس دل سے یہ سب دیکھا کوئی اور نہیں جانتا سکتا تھا ان کے دل پہ جو گزرتی رہی اس تمام وقت میں یہ وہ ہی جانتے تھے اور ان کا دل جانتا تھا ان کی سماعتوں پہ اس کی آواز نے دستک دی

"آپ جب بہت بڑے ڈاکٹر بن جائیں گے تو کیا اپنے رشتے داروں کا علاج مفت کیا کریں گے؟" وہ مشتاق لہجے میں پوچھ رہی تھی ابراہیم نے کتاب پڑھتے ہوئے سر اٹھا کر ایک پل کے لیے اسے دیکھا۔

"ہاں امی جان جب بیمار ہوں گی تو ان کو انجکشن لگاؤں گا اور بابا جان کو بھی دوا دوں گا باقی جو بھی بیمار ہوا اس کا علاج بھی کروں گا۔" ابراہیم نے بات پوری کرتے ہوئے کتاب پھر کھول لی تھی۔

"اور اگر میں بیمار ہو جاؤں تو؟ کیا مجھے بھی انجیکشن لگائیں گے۔۔۔یا کڑوی دوائیں دیں گے؟" اس کے لہجے میں خوف تھا۔۔۔

"ارے نہیں پگلی! میں تمہیں انجکشن نہیں لگاؤں گا نہ ہی کڑوی دوا پلاؤں گا" وہ اطمینان سے بولا۔

"لیکن کیوں؟" اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی

"کیونکہ انجکشن سے درد ہوتا ہے اور کڑوی دوا بدذائقہ لگتی ہے میں تمہیں کیسے درد دے سکتا ہوں؟ میں تمہیں کیسے کرواہٹ پلا سکتا ہوں؟۔"

"ارے۔۔۔پھر تو میں بیمار ہی رہوں گی کبھی ٹھیک نہیں ہو سکوں گی۔۔۔اور یونہی ایک روز بیماری کے ہاتھوں مر جاؤں گی۔" اس کے لہجے میں تاسف اور فکرمندی تھی

"کیسے بیمار رہو گی؟ کیوں مرو گی؟ میں جو ہوں۔۔پتہ ہے میں کیا کروں گا؟ میں اپنے اسپتال سے چھٹی لے کر نماز والے تخت پہ بیٹھ جاؤں گا اور اس وقت تک تمہارے لیے دعا کرتا رہوں گا کہ جب تک تم بالکل ٹھیک نہیں ہو جاؤ گی۔" وہ اس کی بات سن کر پرسوچ انداز میں اسے دیکھ کر پوچھنے لگی

"دعاؤں سے صحت بھی مل جاتی ہے اور درد بھی نہیں ہوتا۔۔۔ بدذائقہ اور کڑوی دوائی بھی نہیں پینی پڑتی

تو۔۔ پھر آپ کیوں رات دن محنت کر رہے ہیں۔۔۔؟ میڈیکل میں کامیابی کے لیے۔۔۔آپ سیدھے سیدھے مولانا صاحب بن جائیں نا۔" اس نے بڑی معصومیت سے آسان حل بتایا

"اچھا وہ کیسے؟ مجھے طریقہ بھی تو بتاؤ نا مولانا صاحب بننے کا۔۔تم تو بڑی سیانی ہو نا؟" وہ اب بڑی دلچسپی سے اس کی سوچتی ہوئی آنکھوں پہ سایہ کیئے گھنی پلکوں کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔۔۔

"اس کے لیے بس پانچ وقت کی نماز پڑھنی ہوگی اور داڑھی رکھنی ہوگی۔۔اور۔۔۔اور پھونکیں مارنی ہوں گی۔۔۔ آپ مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کے لیے دعائیں مانگا کریں اور بیماروں کو شفا کے لیے پھونکیں مارتے رہیں۔۔۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کے سنجیدگی سے دیئے گئے معصوم سے مشورے نے ابراہیم کے ہونٹوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ پھیلا دی۔

"تم سمجھتی ہو کہ مولانا صاحب بننا اور لوگوں کے لیے دعائیں مانگنا جن کو قبولیت کا شرف بھی حاصل ہو آسان کام ہے؟ ارے پاگل!۔۔۔ بہت تپسیا کرنی پڑتی ہے۔۔۔۔رات دن رب کی خوشنودی کے لیے سجدے ہی نہیں کرنے پڑتے۔۔۔۔بلکہ اس رب عزوجل کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔۔۔ اس کی پیدا کی گئی مخلوق سے اس کے پیدا کیئے گئے انسانوں سے محبت کرنی پڑتی ہے۔۔۔اور جب بہت سی محبتیں بانٹ کر ڈھیروں دعائیں حاصل ہو جائیں تب اس بندے کی دعاؤں کو بھی قبولیت کا شرف عطا ہوتا ہے پھر کہیں جا کر انسانوں۔۔سے محبت کا ثمر ملتا ہے۔۔۔بڑا ہی مشکل کام ہے وہ مولانا بننا جس کی دعاؤں میں بھی اثر ہو اور جن کی پھونکوں میں بھی اثر ہو۔" ابراہیم اک جذب کے عالم میں بول رہا تھا اور شگفتہ غور سے سن رہی تھی۔

"کوئی ایسا بھی مشکل کام نہیں انسانوں سے محبت کرنا۔" وہ دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا معصوم سے چہرے پہ روشن اجالوں جیسی شفاف آنکھیں مزید چمکنے لگی تھیں یوں اسے تکتے ہوئے بے فکری سے بولتے ہوئے۔۔۔

"تو تم کرتی ہو نا سارے انسانوں سے پیار؟" وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا

"جی ہاں ابراہیم بھائی! آپ مانتے نہیں لیکن۔۔۔ میں سچ میں بہت پیار کرتی ہوں سب انسانوں سے۔۔۔اتنا ڈانٹتی ہیں تائی جان لیکن وہ بھی مجھے بری نہیں لگتیں۔" اس نے یقین دلانے والے انداز میں اصرار کیا۔

"اچھا۔۔۔سارے انسانوں سے؟" وہ پھر پوچھ رہا تھا یوں جیسے تصدیق کروا رہا ہو۔

"جی ہاں۔۔۔آپ کہیں تو پکے کاغذ پر لکھ دوں کہ.... میں بالکل سارے انسانوں سے پیار کرتی ہوں کیونکہ۔۔۔ یہ میری فطرت ہے۔" وہ جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں بولی تو ابراہیم آسمان کی طرف دیکھ کر شکر گزارانہ انداز میں کہنے لگا

"یااللہ تیرا بے حد شکر ہے کہ۔۔۔تو نے مجھے انسان پیدا کیا ہے۔" وہ اس کے شرارتی انداز پہ کچھ نہ سمجھنے والی کیفیت میں اسے دیکھ رہی تھی۔۔۔اور جب اس جملے کا مفہوم اس پہ کھل گیا تب اس کے گلابی گال بالکل لال انار بن گیے۔

"ارے آپ میرے سگے تایا کے اکلوتے بیٹے ہو بچپن کے ساتھی ہو استاد بھی ہو۔۔۔ آپ کے پڑھانے کی وجہ سے میں میتھ میں فیل ہوتے ہوتے رہ گئی۔۔۔ورنہ تو فیل ہونا سو فیصد پکا تھا۔۔۔تو میں آپ سے ویسے بھی بہت سا پیار کرتی ہوں اگر انسان نہ بھی ہوتے تب بھی پیار کرتی۔" وہ اپنی بات کہہ کر دوپٹہ ٹھیک کرتی اٹھ گئی۔

"میں جاتی ہوں۔۔۔تائی اماں غصہ ہوں گی۔۔وہ ویسے بھی ہر وقت یہ ہی کہتی ہیں کہ۔۔۔ابراہیم کے ساتھ زیادہ بات نہ کیا کرو۔۔۔تم اب جوان ہو اور جوان لڑکیاں لڑکوں سے دور رہتی ہیں زیادہ بات بھی نہیں کرتیں" وہ یہ کہہ کر جاتے جاتے پلٹ آئی۔

"ایک بات کی مجھے سمجھ نہیں آئی۔۔ مجھے تو تائی اماں آپ سے بات بھی نہیں کرنے دیتیں لیکن ان کی بھانجی جیا جو مجھ سے بھی زیادہ جوان ہے اسے کہتی ہیں۔۔۔جیا! میری بچی ابراہیم کے پاس بیٹھا کرو اس سے بار بار اپنے پاس بلاو اس سے پوچھو کہ وہ چاہتا کیا ہے؟ اس کی پسند کے کپڑے پہنو اس کی مرضی کے مطابق بال بناؤ" وہ اسکی حیران آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

"قسم لے لیں ابراہیم بھائی میں نے خود ہی سنا ہے اپنے ان بے گناہ کانوں سے۔" اس نے اپنے دونوں کان پکڑے ہوئے تھے۔

"لیکن مجھے پوچھنا یہ تھا کہ کہیں جیا آپکی دودھ شریک بہن تو نہیں ہے؟" اس کے احمقانہ سوال پہ وہ تپ گیا

"ہروقت پاگل پنے کی باتیں کرتی ہو۔۔۔ وہ میری دودھ شریک بہن کیسے ہوسکتی ہے؟ ہماری عمروں میں بہت فرق ہے۔۔۔ یار اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تم پوری پاگل ہو۔۔۔ پہلے تو صرف شک تھا اس لیے میں مروتا کہہ دیتا تھا کہ۔۔۔ شگفتہ بی بی! تم آدھی پاگل ہو۔ لیکن اس سوال کے بعد تو آدھی پاگل والی بات جھوٹ ثابت ہوگئی اور مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔" ابراہیم کی بات پہ وہ روہانسی ہوکر بولی

"اس میں میرا کیا قصور ہے؟ تائی اماں مجھے کہتی ہیں کہ جوان لڑکوں سے اگر کزن بھی ہوں تب بھی بات نہیں کرنی چاہیے ان سے دور رہنا چاہیے سگی بہن ہی اپنی بہن ہوتی ہے یا پھر دودھ شریک بہن کو بہن مانا جاتا ہے یہ بھلا کیا بات ہوئی کہ کزن کو ابراہیم بھائی کہہ کر اس کے آگے پیچھے ہوتے رہو؟ اس طرح بھلا کوئی بھائی بن جاتا ہے؟" اس نے تائی جان کے انداز میں ناک چڑھا کر کہا تو ابراہیم کو ہنسی آگئی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔۔۔ تم میرے سامنے ہی میری ماں کی نقلیں اتارتی ہو تمہاری طرح بدتمیز تو شاید ہی کوئی اور ہو میں امی جان کو ابھی بتاتا ہوں" وہ سہمے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"پلیز آپ ان کو کچھ نہیں کہیے گا میں آپ سے معافی مانگتی ہوں آئندہ تائی نے ایک تھپڑ مارا تو میں احتراماً دوسرا گال ان کے آگے کردوں گی۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے کان پکڑ کر اتنی معصومیت سے کہا کہ ابراہیم کا جی چاہا اسے اس کی ساری معصوم اداؤں سمیت اٹھا کر دل میں چھپا لے یوں کہ کوئی دوسرا اسے نہ دیکھ سکے۔

☆......☆......☆

وہ کرسی پہ سر جھکائے بیٹھی مسلسل منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتی جارہی تھی کئی گھنٹے سے وہ آپریشن تھیٹر کے باہر ویٹنگ روم میں یوں بیٹھی تھی کہ ویٹنگ روم کی کھڑکی سے آپریشن تھیٹر کا دروازہ صاف نظر آرہا تھا کھڑکی کھلی تھی جب بھی دروازہ کھلتا وہ اس کبوتر کی طرح آنکھیں زور سے میچ کر یوں بند کرتی جسے بلی نظر آگئی تھی اور وہ آنکھیں بند کرکے یہ سمجھ رہا تھا کہ بلی دکھائی نہیں دے رہی تو اب نہیں ہے۔۔۔ اسے بھی یہی ڈر تھا جس کے خوف سے وہ آنکھیں چرا رہی تھی کہ کہیں کوئی نرس یا ڈاکٹر مایوس چہرے کے ساتھ باہر نکل کر اسے ہمدردی بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے یہ نہ کہہ دے کہ

"مس سارا ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنی حتی الامکان کوشش کے باوجود آپکی والدہ کو بچا نہ سکے۔"

وہ آپریشن تھیٹر کے دروازے سے نکلتے ہوئے غیر معمولی حد تک اونچے لمبے ڈاکٹر ابراہیم کو دیکھ کر ایک دم تڑپی کہ پوچھوں۔۔۔ ماں پہ کیا بیت رہی ہے؟ لیکن ازلی بزدلی نے اسے روک رکھا تھا کہیں کوئی بری خبر ہی سماعتوں کو پگھلے سیسے کی طرح جلا نہ دے اس وقت اس کا دل معمول سے بہت زیادہ تیز دھڑک رہا تھا۔ دھک۔۔۔ دھک۔۔۔ کی آواز اس کو اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔۔۔ وہ سر جھکا کر گردن سینے میں چھپا رہی تھی ہاتھ بھی دھیرے دھیرے کانپ رہے تھے ہونٹ آیتیں پڑھ پڑھ کر بالکل سوکھ گئے تھے۔

ڈاکٹر ابراہیم نے ادھر سے گزرتے ہوئے اسے دیکھا وہ سہمی سہمی سی لڑکی گھٹنوں میں چہرہ چھپائے ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔۔۔ وہ کچھ دیر تک تو اسے افسوس بھرے انداز میں دیکھتے رہے پھر اس کے قریب آ کر آواز دی۔

"بیٹا جی! آپ کا گڈ نیم کیا ہے؟" وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔۔ ان کے ماتھے پہ پڑے فکر مندی کے بل اور الجھے الجھے بال چہرے پہ چمکتے پسینے کے ننھے ننھے قطرے جنہیں وہ ٹشو پیپر سے صاف کر رہے تھے۔ وہ اک جھٹکے سے بگڑے تیوروں کے ساتھ اٹھ کر ان کے مقابل کھڑی ہو گئی۔

"مجھے پتہ ہے۔۔۔ آپ سب نے مل کر میری ماں کو مار دیا ہے۔۔۔ اور۔۔۔ اور اب مجھے یہ کہیں گے کہ ہمیں بہت افسوس ہے ہم انہیں نہیں بچا سکے۔۔۔" وہ تھر تھر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ڈاکٹر ابراہیم کا گریبان پکڑے پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔

"تم سب سے نفرت ہے مجھے۔۔۔ پہلے میرا آسمان چھین لیا اور اب میری جنت بھی چھین لی۔۔۔ تم لوگ مسیحا نہیں ہو قاتل ہو۔۔۔ مما! میری مما جان!" اس سے پہلے کہ ڈاکٹر ابراہیم کے پیچھے کھڑا ولید حسن کچھ کہتا وہ ڈاکٹر ابراہیم کی بانہوں میں جھولنے لگی۔

"۔۔ ہم بہت پر امید ہیں بیٹی کہ اللہ سب بہتر کرے گا" ان کی بات ادھوری رہ گئی اور ولید حسن نے تیزی سے آگے بڑھ کر حیران و پریشاں سے ڈاکٹر ابراہیم کی بانہوں سے اسے لے کر اپنی بانہوں میں اٹھا لیا۔ پھولوں کی طرح ہلکی پھلکی وہ بکھرے بالوں اور سرخ متورم ناک والی لڑکی کل سے مسلسل ذہنی اذیت سہہ کر شاید تھک چکی تھی۔۔

ڈاکٹر نوفل نے پریشانی سے اپنے سینئر اور بین الاقوامی سطح تک شہرت یافتہ ڈاکٹر ابراہیم کی طرف دیکھا کہ کہیں وہ اس بدتمیزی پہ ناراض نہ ہو گئے ہوں لیکن وہ اپنی شرٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے جو سارا کے گریبان میں ہاتھ ڈالنے سے کھل گیا تھا تشویش بھری نظروں سے اسے ولید حسن کی بانہوں میں بے سدھ پڑا دیکھ رہے تھے۔

ولید حسن نے اس کے جسم سے اٹھتی پرفیوم کی خوشبو کے سحر سے خود کو نکالا۔۔کسی بھی لڑکی کو اس نے اتنے قریب سے پہلی بار دیکھا۔۔۔۔چھوا۔۔۔۔اور محسوس کیا تھا۔اس کے ریشمی بال ولید حسن کے بازو پہ بکھرے تھے تیز سانس لیتے سینے کے زیروبم سے گھبرا کر اس نے ادھر ادھر متلاشی نظریں دوڑائیں کہ کہیں جگہ مل جائے اسے لٹانے کی

"انہیں وارڈ میں لے جاؤ۔۔شدید ڈیپریشن سے یہ حالت ہو گئی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گی۔" ڈاکٹر نوفل نے پہلے اس کے لٹکے ہوئے بازو کو پکڑ کر اس کی نبض چیک کی پھر اس کے چہرے پہ پریشانی کے سائے دیکھتے ہوئے تسلی دی۔ولید حسن نے سر ہلا دیا اسے پریشانی اس کی بے ہوشی سے زیادہ اتنی نزدیکی کی تھی۔

☆......☆......☆

وہ شاید ہوش میں آ رہی تھی دھیرے دھیرے کھلتی آنکھوں کے لرزتے پپوٹے اس کے ہوش میں آنے کی خبر دے رہے تھے۔۔ڈرپ اور خواب آور دواؤں کے زیر اثر وہ بڑے سکون سے سوتی رہی تھی۔

"سر۔۔آپ جا کر کچھ دیر آرام کر لیں۔۔۔کل سے مسلسل جاگ رہے ہیں ہم ہیں ناں ان کے پاس۔" نرس نے ولید حسن کی سوجی ہوئی آنکھوں اور تھکے چہرے کی طرف دیکھ کر ہمدردانہ انداز میں کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"اب یہ ذمہ داری ہے میری اور آپ سب جانتے ہو کہ میں ذمہ داری میں کوتاہی نہیں کرتا بلکہ پوری ایمانداری سے نبھاتا ہوں۔۔۔ادھر ان کی والدہ بے ہوش پڑی ہیں اور ادھر یہ۔۔۔۔میں بھلا کیسے سو سکتا ہوں؟ اور آپ بے فکر ہو جائیں ہم اور آپ تو ویسے بھی غیروں اور اجنبیوں کے لیے راتوں کو جاگ کر وقت گزارتے ہیں ان کی خدمت کرتے ہیں یہ تو پھر اپنے ہیں۔" وہ اپنے اس جملے پہ خود ہی حیران تھا۔۔کہ کیسے

ایک دو دن میں اجنبی سے کوئی اس کی ذمہ داری بن گیا اور پھر اب اپنا بھی کہہ دیا اس کی زبان نے۔ نرس سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''یونہی زبان پھسل گئی۔۔۔ ورنہ ایسی پاگل لڑکی کو اپنا بنا کر پاگل ہی ہونا ہے بندے نے۔۔ اس نے خود اپنی بات کی تردید کرتے ہوئے اسے بغور دیکھا تو وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''مما کہاں ہیں۔۔۔؟

کیسی ہیں وہ۔۔۔؟

اور۔۔۔ اور میں کہاں ہوں؟''

وہ تیزی سے اٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔۔۔ اس نے سہمی ہوئی سی نظر سے سائیڈ ٹیبل پر پڑی دوائیاں اور کاغذ دیکھے۔۔ اسے صرف انجکشن ہی سے ڈر نہیں لگتا تھا بلکہ ہر طرح کی گولیاں دوائیاں وغیرہ دیکھ کر وہ سہم سی جاتی تھی۔ اس وقت بھی یہی منظر دیکھ کر وہ خوفزدہ سی اپنے ماتھے سے پسینے کے قطرے صاف کرنا چاہ رہی تھی کہ بازو ہلاتے ہی اس کے لبوں سے اک آہ نکلی۔۔۔

''اف'' درد کی تیز لہر اس کے ہاتھ کی پشت پہ لگے ڈرپ کو ہلانے سے اٹھی اور پورے بازو میں پھیل گئی اس نے درد سے گھبرا کر کلائی واپس تکیے پہ رکھ دی۔۔۔

''ڈاکٹر ولید حسن نے اٹھ کر بنا کچھ کہے ڈرپ اتارا اور اس کے ہاتھ سے کینولہ اتار کر ٹیپ لگا دی۔

''اب طبیعت کیسی ہے؟'' ولید نے عام سے انداز میں پوچھا۔۔۔

مگر وہ سوائے اثبات میں سر ہلانے کے کوئی جواب نہ دے سکی۔

''آپ کو ڈاکٹر ابراہیم سے بدتمیزی نہیں کرنی چاہیے تھی۔۔ وہ اس ملک کے ہی نہیں۔۔۔ بلکہ باہر بھی بہت جانے مانے ڈاکٹر ہیں۔۔۔ اور ان کا اس طرح آنٹی کا آپریشن کرنے کے لیے اتنی جلدی راضی ہونا ان کا بہت بڑا احسان ہے۔۔۔ جس کا صلہ آپ نے ان کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر بدتمیزی کرتے ہوئے دیا۔'' وہ دھیرے دھیرے اسے اس کی غلطی کا احساس دلا رہا تھا۔

''میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے آپ؟ میری مما کہاں ہیں اور۔۔۔ اور وہ کیسی ہیں اب؟'' وہ

اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے اسکے ملامت آمیز لہجے کو مکمل نظر انداز کر چکی تھی اور سائیڈ پہ پڑے دوپٹے کو کندھوں پہ پھیلا کر ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹکائے نیچے اترنے لگی۔۔ دواؤں کے زیر اثر اسے چکر سا آ گیا تھا۔اسے سر پکڑ کر تقریباً لہراتے دیکھا تو ولید حسن بے اختیار تیزی سے آگے بڑھا اور اسے کندھوں سے تھام کر واپس بیڈ پر بیٹھنے میں مدد دی۔

''پلیز میری مما کے بارے میں کوئی بری خبر نہ دینا۔مجھ میں ہمت نہیں'' اس کی بھرائی ہوئی نقاہت زدہ آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہت تھکی ہوئی ہے بہت ٹوٹی ہوئی ہے۔

''مس سارا عزیز خان! آپ مجھے بولنے کا موقع دیں تو میں آپ کو دوبارہ بتاؤں کہ۔۔۔اس ملک کے۔۔۔ بلکہ اس ملک کے باہر بھی بہت مشہور ڈاکٹر ہیں ابراہیم صاحب۔۔۔انہوں نے بہت کامیاب آپریشن کیا ہے آنٹی کا اور انہیں پوری امید ہے کہ وہ جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گی۔۔ وہ ایک ہمدرد انسان ہیں اور اپنے پیشے سے انہیں بہت محبت بلکہ عشق ہے۔۔۔وہ ہمیشہ اپنے مریضوں کے لیے یوں فکر مند ہوتے ہیں جیسے کوئی بھی اپنے سگے رشتوں کے لیے پریشان ہوتا ہو گا۔۔۔لیکن۔۔۔میں نے انہیں کبھی کسی مریض کی صحت اور زندگی کے لیے اتنا فکر مند پہلے کبھی نہیں دیکھا جتنا آنٹی کے لیے وہ فکر مند ہیں۔۔۔''۔وہ بہت نرمی سے تفصیل بتا رہا تھا۔

وہ لاپروائی سے اپنے دودھیا ہاتھ کے چمکیلے ناخنوں کو یوں بغور دیکھ رہی تھی جیسے ان پہ کوئی دلچسپ فلم چل رہی ہو وہ پل بھر کے لیے رکا۔

''ڈاکٹر ابراہیم دوبار آپ کو دیکھنے بھی آ چکے ہیں اور بار بار فون کر کے بھی پوچھ رہے ہیں کہ آپ کو ہوش آیا کہ نہیں۔'' وہ بمشکل اپنے غصے پہ قابو پاتے ہوئے نرم لہجے میں اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

''اگر آپ کی تقریر جس کا عنوان ہے ڈاکٹر ابراہیم اور ان کی عظمت کی کہانی۔۔ختم ہو گئی ہے تو مجھے بھی کچھ بولنے کا موقع دیں۔''اس کا انداز جتانے والا تھا۔

''چلیں میں نے مان لیا کہ وہ بہت مہان ہیں۔۔۔اب آپ بھی میری ایک بات مان لیں۔۔ اور مجھے دل سے شکریہ کا موقع دیں۔''

وہ طنزیہ انداز میں بول رہی تھی ولید نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اب بولیں مس سارا عزیز خان! آپ کیا منوانا چاہ رہی ہیں؟ اور جہاں تک بات شکریے کا موقع دینے کی ہے۔۔۔۔تو نہ آپ سے شکریہ وصول کرنے کا شوق ہے نہ کوئی امید ہے آپ جیسی احسان فراموش لڑکی میں نے زندگی میں نہیں دیکھی جو اس کے محسن ہیں انہیں قاتل کہہ کر ان کے گریبان پکڑ رہی ہیں۔۔ ہونہہ۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اسے طنزیہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔۔۔وہ اس کی تیز تیز بڑبڑاہٹ سن کر اٹھ کھڑی ہو گئی۔

''بہت ہو گئی مسٹر آئیں، بائیں، شائیں،۔۔۔ میں اس وقت لڑنے کے موڈ میں قطعی نہیں ہوں آپ نے مجھے اتنی بڑی خوشخبری سنائی ہے کہ میں اس کے صدقے آپ کے تمام گناہ معاف کر سکتی ہوں۔'' وہ اس کی بات سن کر دوبارہ بڑبڑانے لگا۔

''مجھے معاف ہی کر دیں تو اچھا ہے۔'' وہ سلیقے سے دوپٹہ کندھوں پہ ٹھیک کرتی اس سے آگے چل پڑی۔

''مجھے مما کے پاس لے چلیں۔۔۔ اب مجھ سے مزید نہیں سہی جاتی ماں کی جدائی۔۔۔بس میں ان کے قدموں سے لپٹی چپ چاپ پڑی رہوں گی۔۔اف بھی نہیں کروں گی نہ کسی کو ڈسٹرب کروں گی۔''

وہ کسی ایسے بچے کے انداز میں بھیگی آنکھیں جھپکتے ہوئے سب کہہ رہی تھی جو ماں کے ساتھ جانے کی ضد کرتے ہوئے وعدے کرتا ہے کہ میں کوئی شیطانی نہیں کروں گا نہ کوئی کھلونا لوں گا نہ ضد کروں گا بس مجھے اپنے ساتھ لے جائیں۔۔وہ بادل ناخواستہ اس کے ساتھ چل پڑا اب ساتھ چلنے کے علاوہ کوئی دوسرا رستہ بھی تو نہیں تھا۔۔وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کتنا برا لگتا ہے جسے من نہ چاہے اس کے ساتھ سفر طے کرنا۔۔۔چاہے عمر بھر کا سفر ہو یا پل بھر کا مگر ہمسفر من پسند ہو تو منزل کی لگن بھی سلامت رہتی ہے۔۔۔اور سفر کا حسن بھی۔۔۔جسم وجاں کو شاداب رکھتا ہے تھکنے نہیں دیتا۔

''آپا! ایسی ہمسفر سے تو اچھا تھا کہ میں جیون کی ان الجھی ہوئی راہوں پر اکیلا ہی چلتا رہتا۔۔۔۔زندگی کی مسافتیں کیا کم تھیں؟ کہ آپ نے میرے پاؤں میں اس ان چاہے رشتے کی بیڑیاں بھی پہنا دیں۔۔۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر ابراہیم شگفتہ کے سرہانے کھڑے اس کے زرد چہرے کی طرف اداس نظروں سے دیکھ رہے تھے

وہ ہوش میں آتے ہی درد سے تڑپتے ہوئے بار بار اپنی بیٹی سارا کو پکار رہی تھیں کچھ ہوش اور کچھ بے ہوشی میں

ان کی زبان پہ صرف سارا کا نام تھا۔

وہ بحیثیت اک ڈاکٹر اچھی طرح سے جانتے تھے کہ اینستھیزیا کا اثر ختم ہوتے ہوئے عموماً پیشتر مریض

الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں۔۔۔ کسی کو وومیٹنگ ہونے لگتی اور کوئی چپ چاپ پڑا رہتا ہے۔۔۔انہوں نے

دیکھا ولید حسن کے ساتھ سارا بھی کمرے میں تھی انہوں نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

ولید شرمندہ سا انہیں دیکھے گیا وہ ڈاکٹر ابراہیم سے اجازت لیے بغیر ہی سارا کو اندر لے آیا تھا۔

''سارا! سارا! وہ دھیرے دھیرے آوازیں دے رہی تھیں۔۔۔ سارا نے آنسوؤں کو گالوں پہ بہنے دیا لیکن

ہونٹوں پہ ٹھہری ہچکیوں کو بمشکل روک دیا کہ کہیں ماں ڈسٹرب نہ ہو جائے۔۔۔ بہت کمزور لگ رہی تھیں وہ ایک

ہاتھ پہ ڈرپ لگا ہوا تھا تو دوسری طرف آکسیجن ماسک ان کے خوبصورت ہونٹوں اور ستواں ناک پہ لگا ہوا تھا ان

کے ہونٹ اب بھی ہل رہے تھے۔

''میرا نام ہی لے رہی ہیں مسلسل'' وہ بھیگی آنکھوں سے آنسوؤں کا پردہ دوپٹے کے کونے میں سمیٹتے ہوئے

بولی۔ وہ ان کے پاؤں پکڑنا چاہتی تھی ان کے قدموں میں اپنا سر رکھ کر اپنی محبت اپنی عقیدت کا اظہار کرنا چاہتی

تھی۔۔۔ لیکن ولید حسن کی گھورتی تنبیہ آمیز نظروں نے اسے روک رکھا تھا

اس خاموش اور پرسکوت ماحول میں شگفتہ کی سرگوشی کچھ واضح بھی تھی۔۔۔ اور کچھ مبہم سی بھی تھی۔۔۔

ڈاکٹر ابراہیم اس پہ جھکے اور اس کی روشن پیشانی پہ ہاتھ رکھ کر بخار چیک کرنے لگے جبکہ شگفتہ کی بند آنکھوں اور

تھرتھراتے ہونٹوں کو بھی وہ غور سے دیکھ رہے تھے۔

''ابراہیم۔۔۔ ابراہیم۔'' وہ چونکے شاید میری سماعتوں کا دھوکا ہے انہوں نے خود کو سمجھایا۔

''ابراہیم۔۔۔۔۔!''

انہیں اپنی سماعتوں پہ پھر سے شک گزرا

جیسے جلتے ہوئے صحرا میں تھکے ہوئے پیاسے مسافر کو سراب نظر آتا ہے اور وہ پانی سمجھ کر ریت کے ہی

تعاقب میں اپنی بقا کا سفر جاری رکھتا ہے۔۔۔یونہی محبت کے لیے ترستے شخص کے لیے محبوب کے ہونٹوں سے اپنا نام سننا بھی اک انہونی سی خواہش کا دھوکہ لگتا ہے وہ بھی اسے اک سراب اک ناتمام خواہش کا دھوکہ سمجھ رہے تھے۔

لیکن نہیں سارا کے ساتھ وہ ابراہیم کو بھی پکار رہی تھی۔۔۔کبھی کبھی مرتے ہوئے شخص کے لیے کوئی دوا کوئی دعا زندگی بن جاتی ہے اور وہ اسی دعا اسی دوا کا سہارا لے کر بستر مرگ سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔۔۔اسے شاید معجزہ کہتے ہیں وہ بھی برسوں سے جس معجزے کا منتظر تھا وہ معجزہ ابھی ابھی ہو گیا تھا اس نے خود میں وہ طاقت محسوس کی جو موت سے مقابلہ کر کے زندگی کو جتوا دیتی ہے اور وہ طاقت شگفتہ کے ہونٹوں سے نکلے اس کے اپنے نام نے اسے بخشی تھی۔

"سارا ماں کے پاؤں کے پاس کھڑی تھی اس لیے وہ ان کے لبوں سے نکلا ابراہیم کا نام نہ سن سکی۔جبکہ ڈاکٹر ابراہیم کے ساتھ کھڑے ولید حسن نے بھی سرگوشی سن لی تھی۔۔اور وہ شگفتہ آنٹی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ساکت سا ڈاکٹر ابراہیم کی طرف دیکھ رہا تھا۔۔۔

۔ابراہیم نے دیکھا شگفتہ کی آنکھیں بند تھیں ان کے دل سے یہ شک بھی نکل گیا تھا کہ شاید شگفتہ نے انہیں دیکھ اور پہچان کر آواز دی ہے۔۔۔وہ بحیثیت ایک ڈاکٹر یہ بھی۔۔۔اچھی طرح جانتے تھے کہ شگفتہ اب بھی مکمل ہوش میں نہیں ہے اور اگر وہ ان کا نام لے رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ابھی تک انہیں بھولی نہیں تھی۔۔۔۔

"عمر کے اس حصے میں ایک جوان بیٹی کی ماں ہوتے ہوئے بھی۔۔؟ جب وہ مجھے یاد رکھے ہوئے ہے۔۔۔۔تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ برسوں پہلے اس معصوم اور محبت کرنے والی لڑکی پر کچھ ایسی بیتی تھی کہ جس کے نتیجے میں اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر واضح الفاظ میں کہا تھا کہ۔۔۔وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی بلکہ عزیز خان کے رشتے کے لیے ہاں کرنا چاہتی ہے۔۔۔"

"اس وقت میں اپنی زخمی انا کے درد میں ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ میں اس کی آنکھوں کو پڑھ ہی نہ سکا اگر یہ اس وقت سچ کہہ رہی تھی تو آج اس کے لبوں پہ اپنے شوہر کا نام ہونا چاہیے تھا۔۔۔۔ابراہیم تو اس کے لیے ایک بھولی

بسری کہانی کا عنوان ہی ہونا چاہیے تھا۔۔

انسانی فطرت ہے کہ کہانیاں بھول جاتی ہیں۔۔۔لیکن عنوان یاد رہتے ہیں۔۔۔۔انہوں نے سوچا ہو سکتا ہے کہ وہ بھی انہی لوگوں میں سے ہو۔۔۔جنہیں صرف عنوان یاد رہتے ہیں کہانیاں تو ساری۔۔۔۔خود انہیں یاد تھیں۔۔۔

وہ۔۔۔جو ٹوٹ کر محبت کرتا تھا۔۔۔۔۔

۔وہ جس کے لئے زندگی کا دوسرا نام ہی شگفتہ تھا۔۔۔۔

وہ جو صبح اٹھ کر جب تک اس کا چہرہ نہ دیکھ لیتا۔۔اس کے اندر باہر بے زاری کا موسم رہتا تھا۔۔۔۔۔۔۔

وہ جس کے لئے۔۔۔ایک لڑکی اس کے ہر خواب کی تعبیر تھی۔۔۔

وہ جسکی۔۔۔جھرنوں کے ترنم سی خوبصورت آواز اس کی پیاسی سماعتوں کو سیراب کرتی تھی۔۔وہ جب تک نظر نہ آتی اس کی آنکھیں روشنی کے لیے۔۔۔

نور کے لیے ترستی رہتی تھیں۔۔۔

ابراہیم کی کوشش یہی ہوتی کہ اٹھتے ہی سب سے پہلے اس کی شکل دیکھے اور جو کسی دن اس کے اٹھنے سے پہلے وہ کالج گئی ہوئی ہوتی اور درشن نہ ہوتے۔۔۔تو وہ پورا دن اس کا بے زاری میں کٹتا تھا اسے لگتا کہ آج کا دن بہت برا گزرے گا پڑھائی کرنے کو بھی جی نہ چاہتا بمشکل کلاسز لیتا اور گھر واپس آتے ہی ادھر ادھر متلاشی نظروں سے اسے ڈھونڈنے لگتا۔

''اپنے ابا جی کو ڈھونڈ رہے ہو؟'' اماں اتنی سادہ بھی نہ تھیں کہ اس کی متلاشی نظروں کا مطلب نہ سمجھتیں۔۔۔

وہ گڑبڑا کر ماں کی طرف دیکھتا اور بالوں میں انگلیاں گھماتے ہوئے انہیں بھی گھمانے کی کوشش کرتا جو اتنی سمجھدار تھیں کہ اچھے بھلے عقل مند اور ہوشیار بندے کو بھی دریا پہ لے جا کر پیاسا واپس لے آتیں۔

''لو آ گئے تیرے ابا جی۔'' وہ گرم روٹی اس کے سامنے رکھتیں۔۔۔۔

''ہاں وہی کچن میں روٹیاں پکا رہی ہے فکر نہ کرو زندہ ہے۔۔۔ایسے لوگ اتنی جلدی مر کر۔۔پیچھا نہیں

چھوڑتے۔۔" وہ نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے پھر گویا ہوئیں۔

"ارے میرے بچے ان کی نسل ڈھیٹوں والی ہے۔۔۔۔اس کی ماں نے ٹی بی جیسی بیماری میں بھی چار سال کاٹ لیے تھے۔۔۔ڈاکٹر بھی حیران تھے کہ انکی ساری ڈاکٹری ناکام کر کے یہ بیماری اس کی جان کیوں نہیں لیتی؟ سینی ٹوریم میں بھی بیڈ خالی نہ کرتیں اگر شگفتہ کے ایکسیڈنٹ کی خبر میں جا کر نہ سناتی۔۔۔یقین کرو ڈاکٹرز اور نرسز نے بھی اطمینان کا سانس لیا تھا کہ جان چھوٹی اس مریضہ سے جسے ڈاکٹرز نے ایک مہینے کی مہمان کہا تھا جبکہ وہ چار سال کاٹ گئی۔"

اماں کی سفاک آواز یقیناً اس کے دل پہ چھریاں چلا رہی ہو گی بلکہ اس کی تو روح بھی زخم زخم ہو چکی ہو گی۔۔

ابراہیم نے گرم روٹی چھوٹی سی رنگین چنگیر میں لیے اماں کے عین پیچھے کھڑی شگفتہ کی دھندلی آنکھوں اور اڑی اڑی رنگت کو دیکھتے ہوئے سوچا" بے چاری سارا دن اماں کی جلی کٹی سنتی رہتی ہے لیکن۔۔۔۔مجال ہے جو کبھی جواب دیا ہو یا ماتھے پہ بل بھی لائی ہو۔۔۔لیکن جیسے ہی ماں کا ذکر آتا اس کی شکل بدل جاتی تھی چہرے پہ دکھ سائے کی طرح پھیل جاتا کوئی انجان بھی اسے دیکھتا تو سمجھ جاتا کہ اس کے اندر غم کے طوفانوں نے تباہی مچائی ہوئی ہے۔۔

وہ تو ابراہیم احمد خان تھا خود سے زیادہ اسے اندر تک جاننے کا دعویٰ کرنے والا۔۔۔ایک نظر دیکھ کر ہی سمجھ جاتا کہ وہ اس وقت بہت تکلیف میں ہے۔۔۔

"اماں جی مرے ہوؤں کو تو بخش دیا کریں نا۔۔۔آپ کو پتا نہیں کہ ہمارے دین میں مرے ہوؤں کے پیچھے بات کرنا کتنا بڑا گناہ ھے؟" اس نے ناگواری سے کہا۔

"ہاں ہاں تمہیں تو۔۔۔ سارے جہان میں ایک اپنی ماں ہی گناہ گار نظر آتی ہے۔۔۔۔جو مر گئی اگر اس کی گناہ گاری کے قصے سناؤں تو کانوں کو ہاتھ لگاؤ گے۔" وہ چپ ہوئیں تو ابراہیم نے کہا

"میں کیا سارا خاندان ہی جانتا ہے کہ ان کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے اس شخص کی جھوٹی محبت کا اعتبار کیا جو اعتبار کے قابل ہی نہ تھے۔" وہ بھی سچ بول کر ماں باپ کے ردعمل کے ڈر سے چائے کے کپ پہ

جھک گیا۔

”دیکھ لیں۔۔۔۔اپنے اس لاڈلے کے کرتوت اک عورت کے لیے اوراس کی اک منحوس بیٹی کے لیے اپنے سگے چچا کے پیچھے باتیں کر رہا ہے۔“اماں جی کا موڈ عموماً شگفتہ یااس کی ماں کاذکر آتے ہی خراب ہوجاتا تھا

”تائی جی!یہ گرم گرم روٹی“ شگفتہ نے روٹی کی چنگیر ان کے سامنے رکھی توانہوں نے برا سا منہ بنا کر اسے دیکھااوروہ ماتھے سے پسینے کے قطرے آنسوؤں کے پانی کے ساتھ اپنے دوپٹے کے پلو میں سمیٹ رہی تھی۔

”ہاں توے۔۔۔۔پر سے گرم روٹی ہی اترتی ہے پھاپھے کٹنی کہیں کی۔۔۔۔اس میں تیرا کیا کمال؟بس نمبر بڑھانے کا شوق ہے تجھے۔گرم گرم روٹی۔“انہوں نے اس کی نقل اتارتے ہوئے باقاعدہ ایسا منہ بگاڑا کہ باوجود افسوس کے۔۔۔ابراہیم کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔۔

اس کے لبوں پہ پھیلی مسکراہٹ شگفتہ کے جلے ہوئے دل کو اور بھی جلا رہی تھی

”سر آنٹی کو ہوش آ گیا ہے۔“ولید حسن نے ماضی کے جلتے ہوئے ریگزاروں سے انہیں واپس اسپتال کے اس ٹھنڈے کمرے میں کھینچ لیا تھا۔

”سارا تڑپ کر اٹھی اور مما کے قریب جا کر ان پہ جھک گئی۔

”ڈاکٹر ابراہیم نہیں چاہتے تھے کہ وہ اس طرح اچانک اس کے سامنے آئیں اور وہ ایسی حالت میں ہیجانی کیفیت سے دوچار ہو۔۔۔۔اس لیے خاموشی سے باہر نکل گئے۔

ولید نے الجھی ہوئی نظروں سے انہیں کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہے تھے”یہ ضروری تو نہیں کہ وہ مجھے پہچان بھی لے وقت نے عمر کے نام پہ بہت کچھ چھین لیا ہے مجھ سے۔۔۔

اب تو نہ وہ تازگی رہی نہ چہرے پہ نکھار رہا۔۔۔نہ وہ آنکھوں میں ستاروں کی سی روشنی رہی نہ لبوں پہ بات بے بات پھیل جانے والی مسکراہٹ رہی۔۔

وہ اک زندگی سے بھرپور شخص کو سزائے موت سنا کر کہیں کھو گئی تھی۔۔پھر کبھی لوٹ کر نہ آنے کے لیے جانے والے مڑ کر اک نظر پیچھے رہ جانے والوں پہ تو ڈالتے ہیں کہ آخری بار نظارہ کر لیں۔۔۔پھر کبھی یہ چہرہ یہ آنکھیں نہیں دیکھ پائیں گی لیکن اس نے تو مڑ کر بھی نہ دیکھا تھا۔وہ اک آخری نظر کا سوال طلب کا خالی کشکول لیے

کرنا چاہ رہا تھا۔لیکن شگفتہ کی بے رخی اسے لاجواب کر رہی تھی۔۔۔وہ نامرادی کھڑا اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔۔اور اب وہ اسے پہچان بھی پائے گی یا نہیں؟ یہ سوال اسے پریشان کر رہا تھا۔

اس لمحے ولید کے ذہن میں بھی کئی سوال اٹھ رہے تھے جن پہ وہ زبردستی مٹی ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا وہ ذہن سے سارے بوجھ جھٹک کر ماں بیٹی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

''سر میں اندر آ سکتا ہوں؟'' ولید حسن سر ابراہیم کے کمرے کے دروازے میں کھڑا اجازت مانگ رہا تھا۔

انہوں نے فائل سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور سر ہلا کر اندر آنے کی اجازت دی وہ ان کے سامنے کرسی پہ بیٹھ گیا تھا ڈاکٹر ابراہیم نے چشمہ اتار کر اسے دیکھا۔

''مجھے پتہ ہے۔۔۔ تمہارے دل و دماغ میں کیا چل رہا ہے؟ بہت سے سوال تمہیں بے چین کیے ہوئے ہیں جو مجھے تمہاری آنکھوں میں بھی نظر آ رہے ہیں۔'' اب وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے اداس نظروں سے ولید حسن کو دیکھ رہے تھے۔

''ڈاکٹر ولید! مجھے بھی یہ پوچھنا ہے آپ سے کہ شگفتہ اور ان کی بچی کا سوائے آپ کے کوئی اور نظر ہی نہیں آ رہا ہے کیا ان کا کوئی نہیں ہے؟۔۔اور آپ سے ان کا رشتہ کیا ہے؟ میں یہ بھی جاننا چاہ رہا ہوں

''سر! ان دونوں ماں بیٹی کا کوئی قریبی رشتے دار نہیں ہے اور شگفتہ آنٹی بیوہ ہیں جاب کرتی ہیں اور سارا ان کی اکلوتی بیٹی ہے۔۔'' وہ تفصیل بتا رہا تھا

'' ولید ! تم نے یہ نہیں بتایا کہ یہ لوگ آپ کے کیا لگتے ہیں؟'' وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''سر۔۔میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔۔سارا سے میرا نکاح ہوا ہے۔۔۔یہ اور بات کہ اس میں نہ اس کی خواہش شامل تھی نہ میری۔۔۔یوں تو شگفتہ آنٹی میری ساس ہیں لیکن مجھے اس رشتے سے زیادہ ان سے ہمدردی ہے اور انسانیت کے ناطے ایک بیمار اور بے سہارا خاتون کی خدمت بھی میرا فرض ہے۔۔میں آپ کو یہ سب بتا رہا ہوں۔۔حالانکہ ہاسپٹل میں کسی کو یہ پتہ نہیں وہ سب سمجھتے ہیں کہ سارا میری کزن ہیں جبکہ آنٹی میری خالہ ہیں۔'' وہ انہیں سب کچھ بتا کر ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا۔۔

"ایک جھوٹ بولنا۔۔۔اور پھر اس کو سنبھالنے کے لیے مزید جھوٹ بولتے رہنا بہت ہی مشکل اور ذہنی طور پر تھکا دینے والا عمل ہے۔۔۔لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں کیسے اس رشتے کی وضاحت کروں اپنے کولیگز کے سامنے۔۔۔۔اس لیے سچ نہ بول پایا" ولید سر جھکائے انہیں سب بتا رہا تھا۔

پوری بات سن کر وہ اسے دیکھ کر مسکرائے۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا وقت کے ساتھ ساتھ۔۔۔۔ ہمارے ہاں پچانوے فیصد شادیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔۔۔کہیں خالہ۔کہیں ماموں کی بیٹی۔۔کہیں چچا کہیں پھوپو کی بیٹی۔۔۔جنہیں ہم ساری عمر بہنیں سمجھتے رہتے ہیں۔۔اچانک ہی حکم ملتا ہے کہ اس سے تمہاری بات طے ہو گئی ہے۔۔۔اب سوچو جن لڑکیوں کی بہتی ناک اور رونی شکلیں دیکھتے ہوئے آپ بڑے ہوتے ہو انہیں کیسے اس رشتے کے حوالے سے بندہ قبول کرلے؟ وہ نفیس وہ نازک لڑکی جس سے آپ شادی کی خواہش رکھتے ہو اس سے ان لڑکیوں کا مقابلہ کرو تو ہمیشہ ہی جیت اس لڑکی کی ہوتی ہے۔۔۔لیکن آپ والدین کے سامنے ہار جاتے ہو۔"

وہ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پہ پھیلائے اسے سمجھا رہے تھے۔

آپ بہت بہت اچھے اور ہمدرد دل رکھنے والے انسان ہو ڈاکٹر ولید۔۔۔ایک بیمار اور بے سہارا خاتون کی بیماری کو دیکھ کر آپ نے ان کا سہارا بننے کی کوشش کی یہ قابل قدر جذبہ ہے آپ کا۔" وہ اسے سراہتے ہوئے بولے۔۔۔تو ولید حسن نے شرارتی انداز میں سر کھجاتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"سر! بہت زبان چلتی ہے اس لڑکی کی اس طرح کی لڑکیاں مجھے بالکل پسند نہیں۔۔۔سر کھا جاتی ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"مجھ سے زیادہ کس کو پتہ ہو گا؟" یہ کہہ کر انہوں نے اپنے گریبان کے بٹن کو ہاتھ لگایا تو ولید بھی مسکرا دیا۔

"سر مجھے بھی کچھ پوچھنے کی اجازت چاہیے"

"پوچھو کیا پوچھنا چاہ رہے ہو آپ؟" انہوں نے کلائی پہ بندھی گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔

ولید اپنے ذہن میں ترتیب دیے سوالات میں سے پہلے سوال کے بارے میں سوچتے ہوئے پہلو بدل کر رہ گیا۔

"شگفتہ آنٹی سے۔۔۔آپ کا کوئی رشتہ تو ہے۔۔۔لیکن یہ آپ کو ہی پتہ ہے اگر آپ بتا دیں تو ۔۔۔۔۔" وہ ایک پل کے لیے رکا۔

"یہ اندازہ تمہیں کیسے ہوا؟"

"سر! میں نے کبھی کسی مریض کے لیے آپ کو یوں بے قرار نہیں دیکھا آپ ان دنوں بہت پریشان نظر آرہے ہیں۔۔۔میں نے دیکھا بھی ہے اور سنا بھی ہے کہ۔۔۔آپ رات دن ان کو دیکھنے بار بار جاتے رہے بلکہ۔۔۔دیر تک شگفتہ آنٹی کو دیکھتے رہتے تھے پھر تھک کر وہاں سے چپ چاپ واپس ہو جاتے۔۔۔آپ کا یہ رویہ کسی بھی انسان کو یہ سب سوچنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

"وہ عجیب سی اداس نظریں ولید کے چہرے پہ جمائے کچھ شش و پنج میں مبتلا نظر آرہے تھے۔

"سوچ رہا ہوں کسی کو تو سب کچھ بتا کر دل کا بوجھ ہلکا کروں۔۔۔یقین کرو کے. تو کو بڑا پہاڑ کہنے والے۔۔۔میرے دل پہ رکھے اس بوجھ کی چٹان دیکھ لیں تو شرطیہ کہیں گے کہ۔۔۔کے. ٹو۔۔۔تو چھوٹا ہے اس کے مقابلے میں۔۔۔" وہ الجھے ہوئے نظر آرہے تھے۔۔۔جبکہ ولید منتظر سوالیہ نظروں سے انہیں تکے جا رہا تھا۔

"اب مجھے یہ سوچنا پڑے گا کہ کہاں سے سب شروع کروں۔۔۔؟ بتانے کے لیے بہت کچھ ہے۔۔اور بولنا چاہوں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

وہ رکے اور کچھ توقف کے بعد فیصلہ کن انداز میں بولے

"تم نہیں جانتے ولید حسن! کہ سامنے کمرے میں بستر کی سفید چادر پہ لیٹی دنیا و مافیہا سے بے خبر زرد چہرے والی یہ عورت میری کچھ بھی نہیں۔۔۔اور سب کچھ بھی ہے۔۔۔میری چچا زاد۔۔۔۔میری منگیتر۔۔۔، میرے بچپن کی محبت میری شاگرد اور۔۔۔۔اور میری قاتل بھی۔" وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو بے چینی سے مروڑتے ہوئے کہہ رہے تھے۔۔۔ڈاکٹر ولید حسن آنکھیں پھاڑے حیرت سے سب سن رہا تھا

"وہ پیدا ہوئی تو میں بڑا اور سمجھدار بھی تھا مجھے آج بھی اچھی طرح سے یاد ہے۔۔اس دن ہمارے گھر میں میرے والدین کے درمیان خوب جھگڑا ہوا تھا۔۔۔میری اماں جی اس درد سے تڑپتی عورت کو دھکے دے کر گھر سے نکال رہی تھیں اور وہ ان کے پاؤں پکڑ کر کہہ رہی تھیں۔

"بھابھی مجھے یہاں سے۔۔۔۔نہ نکالیں خدا کے لیے میرا اور کوئی سہارا نہیں۔اف۔۔۔" وہ اپنا پیٹ پکڑے زمین پہ دوہری ہو گئی تھیں

"جمیلہ بیگم! یہ بے چاری عورت ذات ہے اس حالت میں کہاں جائے گی؟۔۔۔ خدا کے لیے بس چھوڑ دو۔۔اس قصے کو ختم کرو۔" ابا جی! انہیں کندھوں سے پکڑے زبردستی اندر لے گیے۔۔ان کی گرفت اماں کے کندھوں پہ اتنی سخت تھی کہ وہ باوجود کوشش کے وہاں رک کر چچی کی تکلیف کا تماشا نہیں دیکھ سکتی تھیں وہ مجھے اشارے سے سمجھا گئے کہ میں چچی کا خیال رکھوں۔

"پانی۔۔۔پانی۔" ان کی حالت بہت خراب تھی ان کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے چمک رہے تھے اور وہ اب بھی پیٹ پکڑ کر دوہری ہی ہو رہی تھیں۔

" آف۔۔۔۔خدایا" انہوں نے پانی کا گلاس میرے ہاتھ سے لے کر ایک ہی سانس میں ختم کیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر جیسے فریاد کرنے لگیں۔مجھے ان کی حالت پر بہت ترس آ رہا تھا ان کے ماتھے سے بہنے والے پسینے کے قطرے اب پھیل کر سارے چہرے کو بھگو رہے تھے اس وقت وہ ہمارے گھر کے پیچھے بنے سرونٹ کوارٹرز میں سے ایک کوارٹر میں موجود تھیں۔۔کمرے میں دو چار پائیوں کے درمیان ایک لکڑی کی چھوٹی سی میز پڑی تھی جس پہ ایک چھوٹا سا بکس پڑا ہوا تھا یہ بکس چچی ساتھ لائی تھیں اور ان کے چہرے کا کرب یاد دلا رہا تھا کہ وہ یہاں آ کر پچھتا رہی ہیں۔

" میرے بچے! کوئی عورت ہے ایسی۔۔ جو میری مدد کر سکے؟ انہوں نے مجھے دیکھ کر درد میں ڈوبے بھیگے لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں یہاں کوئی نہیں ہے چچی! لیکن۔۔۔۔آپ مجھے بتائیں کہ میں آپ کی مدد کیسے کروں؟" میں نے ہمدردانہ انداز میں انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا تو ان کے آنسوؤں کا اک ریلا چہرے کو بھگونے لگا۔

" مجھے کسی عورت کی ضرورت ہے۔۔۔۔اف ۔۔۔میرے اللہ" انکے منہ سے بے ساختہ اک چیخ نکل گئی تھی۔

میں نے شدید گھبراہٹ کے عالم میں دیکھا وہ جہاں دوھری ہو کر بیٹھی تھیں وہاں چار پائی خون سے سرخ ہو

چکی تھی ان کے کپڑے بھی خون میں ڈوبے ہوئے تھے" تو چچی کو زخم لگے ہوئے ہیں؟ میرا سوال اب زبان پہ آ گیا تھا" چچی آپ زخمی ہیں؟"

وہ روتے روتے ہنس دیں۔" زخم ہی تو ملے ہیں اب تک۔۔کیا کہوں کہ کہاں کہاں زخم لگے ہوئے ہیں اور کہاں کہاں درد ہو رہا ہے؟" ان کی ہنسی عجیب سی تھی

میں نے گھبرا کر دماغ پہ زور ڈالا کہ اس وقت کون ان کی مدد کر سکے گا مگر کوئی بھی ایسا دھیان میں نہیں آ رہا تھا جسے میں یہاں لا کر اک تڑپتی ہوئی عورت کا درد کم کر سکوں اک پل کے توقف سے۔۔میرے ذہن میں اچانک اک جھماکا سا ہوا اور میں بے اختیار چلایا

" چچی میں ابھی آتا ہوں۔۔۔فکر نہ کریں آپ کے سارے زخموں کا علاج ہو جائے گا۔۔۔میں نے انہیں تسلی دینے کی ناکام کوشش کی

اور اتنا تیز بھاگا کہ زندگی میں کبھی اتنا تیز نہیں بھاگا ہوں گا جب میں سامنے والے عظمت صاحب کی بیٹی جو کسی اسپتال میں ڈاکٹر تھیں کو ساری صورت حال جلدی جلدی بتا کر بصد اصرار لے کر آیا کیونکہ وہ ابھی ابھی ہاسپٹل سے تھکی ہوئی آئی تھیں لیکن میری گھبراہٹ نے انہیں شاید بتا دیا تھا کہ معاملہ غیر معمولی گھمبیر ہے۔

رستے میں آتے ہوئے مجھے دل ہی دل میں ڈر بھی لگ رہا تھا کہ اماں جی کو یہ سب معلومات مل گئیں تو وہ کہیں مجھے جان سے ہی نہ مار دیں لیکن اس وقت میں جیسے بھی سہی چچی کی مدد کرنا چاہتا تھا

۔۔۔میں ڈاکٹر صوفیہ کے ساتھ جیسے ہی اندر داخل ہوا تو حیرت کے مارے پتھر کا ہو گیا کیونکہ نیم تاریک کمرے میں چچی کے کپڑوں میں کہیں سے کسی انسان کے بچے کے رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔۔۔

۔اپنا باکس پکڑے اطمینان سے چلتی ڈاکٹر صوفیہ نے بھی چونک کر انہیں دیکھا۔۔۔اور خون میں لت پت نیم بے ہوش اس عورت کو دیکھ کر وہ بھی گھبرا گئیں۔۔

۔پھر کیسے انہوں نے دو جانیں بچائیں۔۔۔تڑپتی ہوئی چچی اور چیخ چیخ کر روتی اک بچی کی جان۔۔اور کیسے انہوں نے چچی کے زخموں پہ مرہم رکھا مجھے اس کا اندازہ تو نہ ہوا لیکن مجھے بس اتنا یاد ہے کہ میں جب کمرے کے دروازے سے لگ کر کھڑا اندر سے آتی آوازیں سننے کی کوشش کر رہا تھا کہ تجسس یہ ہی تھا اس روتے

ہوئے بچے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں جو میرے جاتے ہی دنیا میں آ گیا تھا۔۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو گرم پانی اور دیگر جو چیزیں انہیں چاہیے تھیں بھاگتے ہوئے لا کر دی تھیں۔۔

کچھ دیر بعد انہوں نے مجھے اندر بلایا اور بکس میں سے سرخ فراک اور اسی کے ساتھ کی کاٹن کی ٹوپی پہنا کر بستر کی سفید چادر میں لپٹی اک ننھی سی پری انہوں نے میری گود میں دے کر فون کر کے منگوایا ہوا ڈرپ بچی کو لگایا اور مجھے کہا۔

"تم اک بہادر اور ھمدرد بچے ہو جس طرح تم نے میرے ساتھ دو جانیں بچانے کے لیے تگ و دو کی اس سے مجھے اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے کہ تم اک بہت بڑے ڈاکٹر بن سکتے ہو اک ہمدرد اور پر خلوص مسیحا کی ضرورت ہے دکھی انسانیت کو۔۔۔ اپنے آس پاس والوں کے درد دور کرنے کے لیے تمہیں ڈاکٹر ضرور بننا چاہیے۔۔ اس کے لیے تمہیں چاہے کتنی ہی محنت کرنی پڑے۔"

ان کے یہ الفاظ اور ان کی مہارت دو انسانوں کو بچانے کے لیے بھرپور کوشش میرے دل و دماغ میں نقش ہو گئی میں نے ننھی سی پری کو گود میں اٹھائے ہوئے خود سے عہد کیا کہ

"ان شاء اللہ تعالیٰ اپنی ہر ممکن کوشش کروں گا کہ میں بھی دکھی لوگوں کی مسیحائی کر سکوں۔۔۔" وہ چند پل کے لیے رکے اور دم بخود سے ولید حسن کو دیکھنے لگے جو اس کہانی میں اتنا گم تھا کہ چونک کر پوچھنے لگا۔

"پھر کیا ہوا ڈاکٹر صاحب؟

"تم نے پوچھا تھا نا۔۔۔ کہ شگفتہ سے میرا رشتہ کیا ہے؟ تو یہ رشتہ دنیا کے لیے تو شاید اتنا اہم نہ ہو لیکن میرے لیے بس یہ ہی رشتہ سب کچھ تھا۔۔۔ ہے۔۔۔ اور مرتے دم تک رہے گا۔۔۔" ولید پر تجسس انداز میں انہیں دیکھ کر سوچ رہا تھا۔۔ "اس اتنے اچھے اور بڑے انسان کے ساتھ نہ جانے ایسا کون سا ظلم ہوا ہے کہ جس کی یہ سزا پا رہے ہیں۔۔۔۔"

"یہ رشتہ اس وقت جڑا تھا جب وہ شگفتہ بھی نہیں تھی۔۔۔ اسے اپنا نام یا اپنی انفرادی شناخت بھی نہیں ملی تھی۔۔۔ جب میں نے اس سے رشتہ جوڑا تھا۔۔ اسے دنیا میں آئے فقط چند منٹ ہی ہوئے تھے میں نے اسکی طرف دیکھا تو اس نے پہلی بار بند آنکھیں میرے چہرے پہ ہی کھولی تھیں۔

میں نے معصوم فرشتوں سی اس پری کے ننھے سے سرخ ماتھے پہ بے ساختہ اپنے ہونٹ رکھ دیے اور دل ہی دل میں عہد کرتے ہوئے سوچا ''میں تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے یہ میرا پکا وعدہ ہے۔'' وہ چپ ہوئے تو ڈاکٹر ولید حسن نے بے اختیار پوچھا

''پھر آپ نے انہیں کیوں اکیلا چھوڑ دیا ؟'' سوال پوچھ کر وہ اپنی بے اختیاری پہ شرمندہ ہوا لیکن سوالیہ انداز میں ڈاکٹر ابراہیم کو دیکھنا نہ چھوڑا۔

۔''میں نے یہ قسم اٹھائی تھی میں نے یہ وعدہ خود سے کیا تھا اس لیے اس وعدے کا پابند صرف اور صرف میں تھا۔۔وہ تو اس وعدے سے اس قسم سے آزاد تھی۔اسی لیے تو میں نے اسے نہیں چھوڑا۔۔میں اسے چھوڑ بھی کیسے سکتا تھا؟۔اسی لئے تو وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔'' انکی آواز میں سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔۔اور ان کی آنکھوں میں حسرتیں دکھائی دے رہی تھیں۔

''مگر سر آپ کی چچی کا کیا قصور تھا جو انہیں اس قدر کڑی سزا دی گئی۔۔۔ اور شگفتہ آنٹی کے والد۔۔۔ مطلب آپ کے چچا اس وقت کہاں تھے۔؟۔کیا انھیں اپنی بیمار بیوی اور بیٹی کی کوئی خبر نہیں تھی یا وہ ان کے پاس کیوں نہیں تھے؟ ڈاکٹر ولید نے بہت سے سوالات ایک ساتھ کر دیے تھے۔

ڈاکٹر ابراہیم دھیمے انداز میں بولے۔

''بہت لمبی کہانی ہے یہ۔۔۔اب بھی سمجھ نہیں آ رہی کی کہاں سے سناؤں؟

میرے بابا اور چچا جان دو ہی بھائی تھے دونوں کی شادیاں اپنی چچا زاد بہنوں سے بچپن سے طے تھیں میری اماں جان بڑی تھی اس لیے ان کی منگنی میرے بابا جان سے ہو چکی تھی۔۔جبکہ میری زرین خالہ چھوٹی تھی تو ان کی منگنی چچا جان سے ہو چکی تھی بابا جان اور اماں دونوں ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے تھے لیکن میرے چچا زرین خالہ کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتے تھے وہ بالکل ابا جان سے مختلف انسان تھے بہت خود غرض۔۔خود پسند اور جذباتی انسان۔۔۔بہت بڑے بڑے فیصلے کرنے سے پہلے نہیں سوچتے تھے بلکہ فیصلوں کے بعد سوچنا ان کی عادت تھی۔۔ابا جان بتاتے تھے کہ ان کے اس جذباتی پن سے وہ بہت ڈرتے تھے۔۔میری خالہ ان کو پسند کرتی تھیں۔۔۔بلکہ عام روایتی لڑکیوں کی طرح اپنے بچپن کے منگیتر سے شدید محبت بھی کرتی تھیں شادی کی تیاری

ہو رہی تھی کہ ایک دن چچا جان نے خالہ کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا۔۔۔لیکن ابا جان نے انکی بہت منت سماجت کی کہ۔۔۔اگر تم نے شادی سے انکار کیا تو دونوں خاندانوں میں دشمنی پیدا ہو جائے گی۔۔۔اور اس طرح ہماری شادی بھی نہیں ہو سکے گی۔۔ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر مر جائیں گے انہوں نے چچا کے پاؤں میں اپنی ٹوپی رکھ کر انہیں مجبور کیا کہ ابھی کچھ نہ کہیں اور اس وقت تک چپ رہیں جب تک ہمارا نکاح نہ ہو جائے کیونکہ ایک دفعہ نکاح ہو گیا تو پھر یہ شادی کوئی ختم نہیں کرنا چاہے گا کہ ہمارے خاندان میں طلاق کو بہت معیوب فعل سمجھا جاتا ہے سو اس طرح دونوں شادیاں اکٹھی طے تھیں ابا جان نے سوچا ہو گا کہ چار زندگیاں خراب کرنے سے بہتر ہے کہ دو زندگیوں کو ایک دوسرے کا ساتھ دے کر۔۔۔بچا لیا جائے۔

نکاح اور مہندی کا ایک ہی دن تھا رواج کے مطابق۔۔۔پہلے نکاح کروانا تھا پھر دولہا دلہن کو اکٹھے بیٹھا کر مہندی کی رسم کرنی تھی لیکن عین نکاح کے وقت بھری محفل میں چچا نے کہا کہ۔۔۔"میں اس شادی کے لئے تیار نہیں ہوں۔۔۔مجھے اک لڑکی پسند ہے میں اسی سے شادی کروں گا۔۔۔"

جب کہ اس وقت تک اماں اور بابا جان کا نکاح ہو گیا تھا۔۔۔اور مبارک سلامت کا شور اٹھا ہوا تھا۔۔کہ یکدم چچا کے انکار نے محفل پہ سناٹا طاری کر دیا۔۔۔

اماں جان بتاتی تھیں کہ خالہ بہت خوبصورت اور پراعتماد قسم کی لڑکی تھیں انہیں اپنی خوبصورتی اپنی قابلیت اور اپنی ذہانت پر بہت گھمنڈ تھا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ بھری محفل میں اس طرح ذلیل ہو جائیں گی اس سے پہلے کے بزرگ کوئی کاروائی کرتے اور چچا جان کو سمجھا بجھا کر نکاح کے لئے راضی کیا جاتا یا ان پر کوئی دباؤ ڈالا جاتا وہ تیزی سے اٹھیں اور اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئیں گھر کے سب ہی لوگ دل میں اٹھتے خدشات کے سمندر میں ڈوبتے ابھرتے ان کے پیچھے گئے لیکن۔۔

ان کا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔۔وہ سیدھی دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں گئیں اندر سے دروازہ بند کیا اور کھڑکی کھول کر نیچے پکے صحن میں چھلانگ لگا دی فرش پر گرنے سے ان کے سر اور باقی جسم پر بہت شدید چوٹیں آئی تھیں۔۔جسم کی کئی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں دو دن تک وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں اسپتال میں پڑی رہیں اس دوران وہ شدید تکلیف میں تھیں گھر والوں سے ان کی یہ اذیت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔۔تیسرے دن وہ جان

کی بازی ہار گئیں۔۔۔

انکی انا اور خودداری نے یہ قبول ہی نہیں کیا کہ چچا کی منت سماجت کر کے یہ شادی ہو جاتی۔۔ان کیلئے یہ اذیت موت سے بھی بڑھ کر تھی کہ وہ ٹھکرائی گئی ہیں۔۔۔اور ان کو ٹھکرانے والا بھی وہ شخص تھا جن سے انہوں نے ٹوٹ کر محبت کی تھی اس سارے فساد کی جڑ ہی محبت تھی۔۔" ورنہ خالہ کے لیے اسی وقت کئی رشتے آ کر کھڑے ہو جاتے کیوں کہ وہ دونوں میرے نانا کی جائیداد کی وارث تھیں دوسرا بہت خوبصورت اور قابل بھی تھیں لیکن شاید ان کے لئے چچا کے علاوہ کسی کی زندگی میں شامل ہونا بھی موت سے بدتر تھا اسی لئے انہوں نے زندگی سے دامن چھڑا لیا اور موت کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے پناہ لے لی۔۔لیکن وہ خود تو موت کی آغوش میں سو گئیں جبکہ اماں کے دل میں نفرت ہمیشہ جاگتی رہی اور عجیب بات یہ تھی کہ یہ نفرت چچا کے لیے نہیں بلکہ اس لڑکی کے لیے تھی جس سے چچا شادی کرنا چاہ رہے تھے زرین خالہ کے مرنے کے بعد چچا کو گھر سے نکال دیا گیا تھا انہیں سارے خاندان کے لعن طعن نے بہت پریشان کر دیا تھا وہ اپنے کیے پر پشیمان تھے وہ سب سے معافیاں مانگتے رہتے تھے لیکن کوئی انہیں معاف کرنے کو تیار نہیں تھا۔

۔۔ان کے گھر سے نکل جانے کے بعد گھر میں اماں جان اور بابا ہی رہ گئے تھے۔۔۔اماں بتاتی ہیں کہ انکو ادھر ادھر سے چچا کی کوئی نہ کوئی خبر مل جاتی تھی شگفتہ کی ماں کا تعلق ایک بہت شریف اور پرانے خیالات کی فیملی سے تھا چچا نے ان کو شادی کا پیغام دیا تو انہوں نے فوراً ہی انکار کر دیا۔۔کیوں کہ وہ اپنی بیٹی کسی چھڑے چھانٹ کے حوالے نہیں کر سکتے تھے انہوں نے صاف کہا کہ

"میاں اپنے خاندان والوں کو لے کر آئیں تو ہم رشتے کے متعلق بات کریں گے۔جبکہ خاندان والے تو سبھی انہیں چھوڑ چکے تھے۔۔

بالآخر دونوں نے مل کر یہ مشترکہ فیصلہ کیا کہ انہیں کورٹ میرج کر لینی چاہیے ورنہ یہ ظالم سماج جس میں ان کے سگے رشتے بھی شامل تھے ان کو جدا کر کے رہیں گے کبھی ملنے نہیں دیں گے اور وہ دونوں ایک دوسرے کو چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

میری چچی ایک نہایت شریف اور باحیا خاتون تھیں لیکن تھیں تو عورت ہی۔۔جلد اعتبار کر لینے والی محبت

کے لیے سب کچھ قربان کر دینے والی معصوم اور سادہ سی عورت, جب کہ میرے چچا ایک غیر سنجیدہ اور آزاد خیال انسان تھے جو بالکل بھی مستقل مزاج نہیں تھے زندگی اور زندگی سے جڑے لوگ ان کے لیے کھیل تماشے سے زیادہ نہیں تھے وہ شادی تو کر چکے تھے لیکن شادی کے بعد انہیں اندازہ ہوا کہ انہوں نے بہت بڑی غلطی کر کے اپنی عیش و عشرت بھری زندگی مشکل بنالی ہے دو سال تک وہ دونوں بہت برے حالات میں وقت گزارتے رہے چچی جان تو اک صابر بیوی بن کر جبکہ چچا جان بادل ناخواستہ سر پہ پڑی ذمہ داری نبھاتے رہے۔۔ابا اور دیگر خاندان والوں کی باتوں سے مجھے یہ ساری کہانی معلوم ہوئی کہ ایک دن وہ چچی کو کرایے کے گھر میں سوتا چھوڑ کر اور اپنا ضروری سامان لے کر ایسے غائب ہوئے کہ باوجود چچی کے رات دن رونے دھونے ڈھونڈنے اور پولیس میں رپورٹ کرنے کے بھی کہیں نہ ملے۔۔ان کے غائب ہوتے ہی چچی کو مشکلات درپیش ہونا شروع ہو گئیں وہ جو صبر و ضبط کا پیکر بنی وقت گزار رہی تھیں اب اتنی مصیبتیں جھیلنے پہ مجبور ہوئیں کہ پاس پڑوس کی عورتیں ہمارا گھر ڈھونڈتے ہوئے میرے بابا جان تک پہنچ گئیں۔۔جب بابا نے اماں جان سے بات کی کہ خورشید بیوی کو گھر میں سوتا چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور بھابھی حمل سے بھی ہیں اور ان کے گھر والے ان کی شکل دیکھنے کے بھی روادار نہیں ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔تب اماں جان پھٹ پڑیں اور چیخنے لگیں

''اگر وہ عورت اس گھر میں آئی تو میں زرین کو روز قیامت جواب دہ ہوں گی وہ میرا گریبان پکڑ کر پوچھے گی کہ'' آپا تم نے میری قاتلہ کو اپنے گھر میں پناہ دی یہ بھی نہ سوچا کہ اس عورت کی وجہ سے میری زندگی تو چھن گئی ہے میری آخرت بھی خراب اور بخشش بھی نہ ہو گی تم اس عورت کو سینے سے لگاؤ گی؟ جس نے میرے سینے میں تیر مارا اور تیر بھی زہر میں بجھا ہوا۔'' ان کے اندر زہر بھرا ہوا تھا

''وہ عورت مظلوم ہے بیگم!ظلم کرنے والا تو تمہارا دیور اور میرا بھائی ہے۔۔۔جس نے کئی زندگیوں سے خود غرض بن کر کھیلا اور اب بھی سکون سے کہیں اچھی زندگی کے تعاقب میں چلتا جا رہا ہو گا۔وہ بے چاری تو ساکت پانی کی طرح ٹھہری ہوئی ہے اور لوگ آتے جاتے اس پانی میں پتھر پھینک رہے ہیں جوان جہان ہے وہ اور کسی وقت بھی کسی ایسی صورت حال کا شکار ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد ہم دونوں اپنے اپنے ضمیر کے سامنے آنکھ نہیں اٹھا سکیں گے۔''ابا کے الفاظ اماں جان نے جیسے ان سنے کر دیئے تھے۔۔بالآخر وہ اس کی جامد خاموشی اور

بولتی ضد کے سامنے اس قدر بے بس ہو گئے کہ بیچ میں خاندان والوں کا جرگہ بیٹھایا جس میں سبھی نے اس بات کی حمایت کی کہ وہ شوہر کی وراثت کی حق دار ہے اور اس گھر میں اس کا اپنا حصہ بھی ہے جو اس کو دے دیا جائے جبکہ وہ جس بچے کو جنم دے گی وہ بھی ہر چیز کا حق دار کہلائے گا۔

۔وہ بڑوں بزرگوں کے سامنے اور ابا جی کی سختی کی وجہ سے اس بات پہ بمشکل راضی ہو گئیں کہ چچی کو سرونٹ کوارٹر میں جگہ دی جائے۔۔والد صاحب نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اس صورت میں کہ وہ اس گھر میں آئیں گھر چھوڑ کر جانے کی دھمکی دے چکی تھیں اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اماں ضد کی کتنی پکی ہیں جو کہہ رہی ہیں وہ کر بھی گزریں گی۔۔جیسے زرین خالہ نے جو چاہا وہی کیا تھا سو وہ بھی مجبور اماں کا فیصلہ مان گیے

۔۔یوں میری چچی سرونٹ کوارٹر میں رہنے لگیں کئی دن تک تو اماں نے انکی شکل بھی نہیں دیکھی اور نہ ان کے لیے کچھ کھانے پینے کا سامان بھیجا ہاں بابا جان چپکے سے کچھ نہ کچھ بھیج دیتے تھے جو میں اماں کی نظروں سے چھپا کر انہیں دے دیا کرتا تھا ایک طرح سے میں بابا کا رازدار اور مددگار ہو گیا تھا

۔۔یوں شگفتہ پیدا ہوئی اور میں نے اس ننھی پری کی ہمیشہ حفاظت کا عہد خود سے کر لیا۔'' وہ بول رہے تھے کہ دروازے پہ بنا دستک دیے نرس گھبرائے ہوئے انداز میں اندر داخل ہوئی۔۔

وہ دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے

''سر پلیز جلدی آئیں مریضہ کی حالت بہت خراب ہے۔'' وہ تیزی سے اٹھے اور بے قرار انداز میں لمبے لمبے ڈگ بھرتے شگفتہ کے سامنے پہنچ کر کھڑے ہو گئے۔

''ان کا بی پی بہت کم ہو گیا تھا اور سانس لینے میں مشکل پیش آ رہی تھی انہوں نے فوری طور پہ آکسیجن لگایا تو سانس کچھ نارمل ہوئی ہے جبکہ ولید حسن کو فوری طور پر خون کا انتظام کرنے کا کہا ان کے چہرے سے شدید ترین فکرمندی کا اندازہ ہو رہا تھا۔

وہ نیچے کینٹین گئی تھی ہاتھ میں کھانے کی چند چیزوں کے پیکٹ پکڑے جب کمرے میں داخل ہوئی تو ماں کے بیڈ کے قریب ڈاکٹر اور نرسز کی بھیڑ دیکھ کر گھبرا گئی۔

''ولید! اس نے سہمے ہوئے سوالیہ انداز میں ولید کی طرف دیکھا ہاتھ میں پکڑے پیکٹ نیچے گر چکے تھے

"تم چلو باہر ڈاکٹر دیکھ رہے ہیں انہیں۔۔۔ آنٹی کی طبیعت تھوڑی خراب ہو گئی تھی اچانک ہی۔۔۔۔ لیکن فکر نہ کرو ان شاء اللہ تعالیٰ سب او کے ہو جائے گا" وہ اسے کندھوں سے پکڑے باہر لے جانے لگا

"چھوڑو مجھے میں مما کے ساتھ رہوں گی۔۔ مجھے ان سب پر بھروسہ نہیں۔۔" اس نے ڈاکٹرز نرسز اور دیگر عملے کی طرف اشارہ کیا۔" مجھے تو آپ پر بھی اعتبار نہیں ہے ڈاکٹر ولید حسن صاحب آپ سب نے مل کر میری ماں کو اس حال تک پہنچا دیا ہے۔ وہ اس کے ہاتھ جھٹک رہی تھی

"خدا کے لیے یہ بکواس بند کرو اور جا کر اپنی ماں کی زندگی کے لیے دعا کرو۔۔ یہ پاگل پن بھی اب ختم کر دو" ولید حسن نے اسے تقریباً جھنجھوڑتے ہوئے سختی سے کہا

."تم ہوتے کون ہو میرے ساتھ اس لہجے میں بات کرنے والے؟" وہ انتہائی غصے میں اسے گھورتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

ولید حسن نے ڈاکٹر ابراہیم کی آنکھوں کا اشارہ دیکھ کر اسے بازو سے پکڑا اور تقریباً کھینچتے ہوئے باہر لے گیا انتظار گاہ میں رکھی ایک کرسی پہ اسے تقریباً دھکا دے کر گراتے ہوئے اس کے غصے سے سرخ چہرے پہ اک نظر ڈالی اور دانت پیستے ہوئے چبا چبا کر بولا

"آپ جیسی بدقسمت بیٹی میں نے آج تک نہیں دیکھی جس کی ماں موت اور زندگی کی کشمکش میں بستر مرگ پہ تڑپ رہی ہے اور وہ اپنی عادت سے مجبور زبان چلانے میں مصروف ہے۔۔۔ محترمہ! اللہ کو مان لیں , کہتی ہیں تو منت کرتا ہوں کہ اب چپ ہو کر یہاں بیٹھ جائیں دوپٹہ لے کر سر ڈھک لیں اور کچھ پڑھ لیں کہ ان کی تکلیف کم ہو وہ زندگی کی طرف لوٹ آئیں." ولید نے اس کے گھٹنوں پہ پڑا دوپٹہ اٹھا کر غصے سے اس کے سر کو ڈھانپتے ہوئے کہا تو وہ بھی باوجود انتہائی غصے کے خود پہ قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ کیونکہ آس پاس بیٹھے لوگ اسے عجیب عجیب نظروں سے گھورنے لگے تھے۔

"پلیز ڈاکٹر ولید جلدی آئیں۔۔۔ سر ابراہیم آپ کو بلا رہے ہیں۔" ڈاکٹر نوفل اسے بلا رہا تھا اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے ولید نے محسوس کیا کہ وہ بھی پریشان لگ رہا ہے۔

"خیریت ہے نا نوفل!؟ ولید تیزی سے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"یاران کی حالت بہت خراب ہے۔۔ہم بھی انسان ہیں دوسروں کا درد محسوس کرتے ہیں کبھی کبھی تو بہت زیادہ دکھ بھی ہوتا ہے اس وقت بھی ان کی تکلیف دیکھ کر بہت عجیب سا لگ رہا ہے"

وہ پریشان سا نوفل کا کندھا تھپک کر اندر داخل ہو گیا

شگفتہ آنٹی کو ابھی بھی آکسیجن لگا ہوا تھا لیکن اب ان کی تڑپ کچھ کم ہوئی تھی وہ بالکل بے ہوشی ہے کی کیفیت میں تھیں باقی سبھی کمرے سے جا چکے تھے ڈاکٹر ابراہیم نے جیسے ولید کو بالکل یوں نظر انداز کیا جیسے وہ کمرے میں موجود ہی نہ ہو اور خود شگفتہ کی ہتھیلی کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا ولید نے دیکھا ڈاکٹر ابراہیم نے ہاتھوں سے دستانے بھی اتارے ہوئے تھے اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کی ہتھیلی کو یوں نرمی سے دھیرے دھیرے سہلا رہے تھے جیسے کہہ رہے ہوں کہ

"شگفتہ! میں تمہارے ساتھ ہوں اور اب تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گا۔

ولید حسن نے بھی حیرانگی سے یہ منظر دیکھا کہ سر جھکائے بیٹھے ڈاکٹر ابراہیم کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے گرتے ہوئے شگفتہ کی ہتھیلی کو بھگو رہے تھے قریب ہی کھڑے ولید نے شگفتہ کی ہتھیلی پہ چمکتے صاف اور شفاف آنسوؤں کے قطروں کو دیکھتے ہوئے سوچا کہ

"کاش تقدیر کی یہ جو لکیریں خواہشات کے بالکل مخالف سمت جا رہی ہوتی ہیں وہ آنسوؤں سے مٹ جایا کرتیں اور ذرا سے آنسو بہانے سے۔۔۔انسان کو اپنے لیے کوئی بہتر رستہ چننے کا اختیار مل جاتا۔

"کہا کرتا تھا نا اپنے دکھ اندر ہی اندر نہ رکھا کرو۔۔۔یہ مسلسل اندر چھپائے جائیں تو روگ میں بدل جاتے ہیں دکھ اگر جمع کرتے رہو اور کسی کو ان میں شریک نہ کرو تو ان کو پھیلنے سے کوئی نہیں روک سکتا رفتہ رفتہ یہ رگوں میں دوڑنے لگتے ہیں خون بن کر۔۔تم نے اپنے اندر اپنے خون میں یہ زہر پھیلنے دیا۔۔۔اور کبھی اُف بھی نہیں کی۔۔۔دکھ کا بیج ایک دفعہ لگ جائے تو آنسوؤں کے پانی سے پروان چڑھتا رہتا ہے بس اس کو ذرا سی جگہ چاہیے ہوتی ہے عشق پیچاں کی بیل کی طرح اور جب ذرا سی جگہ مل جائے تو یہ جگہ گھیرتے گھیرتے بلا آخر سارے دل پہ قابض ہو جاتے ہیں۔

کہا تھا نا۔۔۔مجھ سے کبھی کچھ نہ چھپانا میں بہت نالائق ہوں اس معاملے میں مجھے بنا بتائے کوئی بات سمجھ

نہیں آتی۔۔میں کسی ایسی لڑکی کا دکھ سمجھ بھی کیسے سکتا تھا؟ جسے سگے رشتوں کی دوزخ میں عمر بھر چلنا پڑا ہو جسے اپنوں نے خوب جلایا ہو۔۔کیونکہ۔۔میرے پاس تو سب کچھ تھا ماں باپ۔۔۔ انکی محبت۔۔اپنا گھر۔۔۔ پیسہ ہر طرح کی آسائش تعلیم حاصل کرنے کے مواقعے۔۔میں بھلا تمہارے دکھ تمہارے کہنے کے بغیر کیسے جان سکتا تھا۔"

وہ اب بھی رو رہے تھے ولید نے ہمدردی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینی چاہی لیکن وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر شگفتہ کے ہاتھ کو سہلا رہے تھے ایک پل کو انہیں محسوس ہوا کہ شگفتہ کی ہتھیلی میں ہلکی سی حرکت پیدا ہوئی ہے انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے اوپر والے ہاتھ کو شگفتہ نے پکڑ لیا تھا انہوں نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا مگر اس کی آنکھیں بند تھی ان کے دیکھتے ہی دیکھتے شگفتہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو قطرے گر کر سفید تکیے میں جذب ہو گئے اس کے خشک ہونٹوں سے نکلنے والا ان کا نام خوشبو کے اک جھونکے کی طرح ان کی سماعتوں کو مہکا گیا۔""ابراہیم۔۔!"

"شگفتہ! میں ابراہیم ہی۔۔۔ہوں پلیز آنکھیں کھولو کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔۔میں نے بارہا موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے اتنی بار موت سے میرا آمنا سامنا ہوا ہے کہ مجھے اب موت سے ڈر نہیں لگتا بلکہ کبھی کبھی تو مجھے موت نجات دہندہ لگتی ہے۔۔۔درد سے تڑپتے ہوئے لوگوں کو بس موت آنے کی دیر ہوتی ہے موت آ کر بالکل پر سکون اور ساکت کر دیتی ہے انہیں۔۔۔چیخنا تڑپنا فریاد کرنا سب پل بھر میں ختم۔۔۔۔لیکن کل سے تمہاری حالت دیکھ کر مجھے موت سے بہت خوف آ رہا ہے اب صدیوں بعد ملی ہو تو مجھے چھوڑ کر نہ جانا میں جانتا ہوں کہ بنا قصور بتائے چھوڑ کر چلے جانا تو تمہاری پرانی ادا ہے۔" وہ شاید خوشی میں کچھ زیادہ ہی بول رہے تھے۔

"سر آنٹی نے آنکھیں کھول دی ہیں۔" ولید حسن کی بات سن کر انہوں نے پہلے اسے چونک کر دیکھا اور اپنی بھیگی آنکھوں کو چھپانے لگے۔۔پھر اس کی بات سمجھ کر انہوں نے دیکھا شگفتہ نے آنکھیں کھول کر ایک پل کے لیے ابراہیم کے چہرے کو دیکھا اور پھر اس کے سوکھے ہونٹ دھیرے سے مسکرا دیئے۔

"مجھے پتہ ہے یہ خواب ہے حقیقت نہیں۔" وہ خفیف سی سرگوشی میں بولیں

۔تو ابراہیم نے اسے پیار لٹاتی شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"لگتا ہے پہلے بھی ایسے ہی خوفناک خواب دیکھتی رہی ہو؟ ویسے کچھ حقیقتیں خوابوں سے بھی زیادہ حسین ہوتی ہیں اور ایسی ہی اک حقیقت ہم دونوں کا ملنا ہے۔۔بس اس حقیقت میں اک تلخی تمہاری بیماری کی ہے کڑوے بادام جیسی لیکن کڑوے بادام کے ڈر سے ہم بادام کھانا چھوڑ تو نہیں سکتے نا؟"

ان دونوں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے ولید حسن کے لیے بھی خود پر قابو پانا بہت مشکل ہو گیا تھا اس لیے وہ اپنی بھیگی آنکھیں چھپاتے کے لیے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

"پتا ہے ماما۔۔۔آپ کے داماد صاحب نے مجھے بہت ڈانٹا تھا۔" وہ لاڈ سے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہہ رہی تھی۔

"اب دیکھیے نا آنٹی میں آپکو پوری بات بتاتا ہوں۔۔ آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ میرا ان کو ڈانٹنا بنتا تھا کہ نہیں؟ جس وقت آپ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی اچانک ہی ہم سب بہت پریشانی کے عالم میں آپ کی زندگی بچانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے کہ یہ موصوفہ اچانک اندر آ کر فلمی ہیروئن کی طرح ڈائیلاگ بولنے لگیں۔"اوئے میں ایک ایک کے ساتھ دیکھ لوں گی میں تم لوگوں کی ڈگریاں جعلی ثابت کر کے رہوں گی تم لوگ میری ماں کے دشمن ہو اور مجھے دشمنوں کو مزہ چکھانا آتا ہے۔"

ولید حسن فلمی ہیروئن کی طرح تیز تیز ڈائیلاگ بولنے لگا اور بولتے بولتے جو ایکشن اس نے بنایا اسے دیکھ کر تو شگفتہ عزیز خان کی ہنسی رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی ہنستے ہنستے ان کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا

"اے مسٹر ! آپ کو پتہ نہیں ہے شاید کہ جھوٹے پر اللہ کی مار پڑتی ہے۔" سارا کی بات پر ماں نے اسے گھور کر دیکھا۔

"شوہر ہے تمہارا اور شوہر کے ساتھ اس طرح بدتمیزی سے بات نہیں کرتے بیٹا۔" وہ بڑی محبت سے ولید حسن کی طرف دیکھتے ہوئے بیٹی کو ڈانٹ رہی تھیں۔

"یہ مجھے پتہ ہے آپ کو اپنے داماد صاحب بہت ہی زیادہ پیارے ہیں مجھ سے بھی زیادہ۔۔۔پتا نہیں آپ کو کیوں یہ اتنے اچھے لگتے ہیں؟ مجھے تو ڈھونڈنے سے بھی کوئی اچھائی ان میں نظر نہیں آ سکی۔" وہ بظاہر تو شرارتی

انداز میں کہہ رہی تھی لیکن ولید حسن کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس کی شرارت کے پیچھے گہرا طنز چھپا ہوا تھا۔

"ویسے آنٹی آپ کو نہیں لگتا کہ ان کو کسی دماغی ڈاکٹر کے علاج کی ضرورت ہے؟ یہ بھی ایک بیماری ہی ہے کہ اللہ کی بندی بات بے بات آ کر ہیروئن کی طرح ڈائیلاگ مارنے لگ جائے۔۔آنٹی! اگر ان کو بچپن میں فلموں میں کام کرنے کا شوق تھا تو آپ نے انہیں کیوں روکا؟ وہ اس کی بسورتی شکل کو دیکھ کر کہہ رہا تھا

"۔۔شکل وصورت بیشک فلمی ہیروئنوں جیسی خوبصورت نہیں ہے۔۔۔ لیکن اداکاری تو ان سے بھی بڑھ کر کرتی ہیں واہ واہ کیا ڈائیلاگ ڈلیوری ہوتی ہے ان کی۔۔۔بڑی بڑی ہیروئنیں اگر ان کی اداکاری دیکھ لیں تو چلو بھر پانی میں ڈوب مریں۔"

وہ بھی جواب میں بظاہر تو شرارتی انداز میں دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا لیکن وہ سب کچھ سمجھ رہی تھی۔

"ارے میرے بچو تم دونوں ایک دوسرے کو چھیڑتے ہی رہو گے یا کوئی پیار محبت کی بات بھی کرو گے؟" انہوں نے پیار بھری نظروں سے دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ارے آنٹی ہر انسان کا پیار جتانے کا ایک اپنا انداز ہوتا ہے۔ہم سنجیدگی سے نہیں بلکہ غیر سنجیدگی سے ایک منفرد انداز میں ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں آپ یوں سمجھیں یہ ہنسی مذاق ہمارا رومانس ہی ہے۔

"جی مما جان! بالکل یہ رومانس ہی ہے۔۔۔

وہ ماں کی نظر سے بچتے ہوئے دانت کچکچا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی تو وہ بھی اسے چڑانے والے انداز میں دیکھ کر مسکرا دیا

"مما جان آپ سے ایک بات کرنی ہے۔۔۔یہ ڈاکٹر ابراہیم تو مجھے کچھ دل پھینک قسم کے انسان نظر آتے ہیں۔"

شگفتہ کی رنگت متغیر ہوگئی تھی بیٹی کی بات سن کر۔

"جس وقت دیکھو آپ کے بیڈ کے ارد گرد چکر لگا رہے ہوتے ہیں بقول ان کے۔۔"اس نے ولید کی طرف اشارہ کیا" یہ بہت بڑے ڈاکٹر ہیں تو ان کا اور کوئی کام نہیں ہے بس ایک میری ماں ہی ملی ہے ان کو علاج کیلیے؟"

اس کے ہر انداز سے ڈاکٹر ابراہیم کے لئے ناپسندیدگی ٹپک رہی تھی۔

''ایسا نہیں کہتے بیٹا آپ کو اصل میں کچھ پتہ نہیں ہے۔ مجھے ابھی ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہوا ہے زیادہ بولنے سے ورنہ میں تمہیں یہ کہانی ضرور سناتی۔''

ولید حسن نے بغور ان کی طرف دیکھا ان کی آنکھیں اداس ہو گئی تھیں سارا کے اس انداز پہ۔

وہ کسی سوچ میں گم سی ہو گئی تھیں

''تم سناؤ بیٹا تمہاری آپا اور بہنوئی کب جا رہے ہیں؟'' انہوں نے جیسے جان بوجھ کر بات بدل دی تھی۔۔ لیکن ماں کے اس انداز پر سارا کچھ حیران پریشان سی انہیں تکنے لگی تھی۔

''جی انٹی آج شام کی فلائٹ ہے انکی۔۔۔ میں ابھی آپ سے اجازت لینے ہی آیا تھا انشاء اللہ تعالی ان کو رخصت کر کے پھر آپ کے پاس آتا ہوں_ واقعی میرے لیے یہ لمحات بہت اداس اور۔۔۔۔ عجیب تکلیف دہ سے ہیں کیونکہ ماں کے مرنے کے بعد میری بہن نے ہی مجھے ماں بن کر پالا ہے اپنی شادی تک تو انہوں نے مجھے کبھی اکیلا نہیں چھوڑا لیکن شادی کے بعد بھی وہ ہر ممکن کوشش کرتی رہیں کہ ہر لمحے مجھے اپنے ساتھ کا احساس دلاتی رہیں یوں برسوں پرانا ساتھ آج چھوٹ رہا ہے۔''

وہ اداس لہجے میں دل کی بات شگفتہ کو بتانے لگا تو وہ بھی اس کی آنکھوں میں اداسی کے گہرے سائے دیکھ کر افسردہ سی ہو گئیں تھیں۔۔۔۔ جب کہ سارا لاپرواہی سے بیٹھی پاؤں ہلا رہی تھی۔۔۔

وہ جانے لگا تو شگفتہ نے چونک کر بیٹی کی طرف دیکھا۔

''سارا تم نہیں جا رہیں ولید کے ساتھ اس کی آپا کو چھوڑنے؟'' انکی تنبیہ آمیز نظروں میں جانے کیا تھا کہ وہ گھبرا سی گئی۔

''میں کیسے جا سکتی ہوں ماما آپ کو اس حال میں اکیلا چھوڑ کر؟ وہ حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے میں اب بہت بہتر ہوں اور میرا خیال رکھنے والے بھی یہاں بہت ہیں۔۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ اور دیکھو۔۔۔ اچھے سے تیار ہو کر جانا تمہارا سارا سامان گھر میں پیک پڑا تھا وہ میں نے چاچا سے کہہ کر بھجوا

دیا ہے پہلے تم ولید کے ساتھ اپنے گھر جاؤ پھر وہاں سے تیار ہو کر اس کی آپا کی طرف جاؤ۔" بہت بولنے سے ان کی طبیعت کچھ خراب ہونے لگی تھی لیکن انہوں نے اپنی آواز کی نقاہت بیٹی سے چھپانے کی بھرپور کوشش کی کیوں کہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ ان کی طبیعت دیکھ کر ولید کے ساتھ نہیں جائے گی۔۔اور اب وہ دل سے یہ چاہتی تھیں کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ٹائم گزاریں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ نکاح کے بعد وہ دونوں ہاسپٹل میں ہی تھے اور ان کو تنہائی میں وقت گزارنے کا موقع بالکل نہیں ملا تھا۔۔

ہوش میں آتے ہی ان کو یہ فکر ستانے لگی تھی کہ سارا اور ولید اکٹھے وقت گزاریں اور آج تو ولید کو کسی ہمدرد کسی ساتھی کی بہت ضرورت تھی۔اس کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ آنے والے وقت کے خوف سے وہ یوں سہما ہوا ہے جیسے کوئی ننھا سا بچہ پہلی بار ماں سے دوری پر سہم جاتا ہے۔

سارا نے ماں کے چہرے کو بغور دیکھا اور وہ ان کے چہرے کے تاثرات سے سمجھ چکی تھی کہ اگر اب اس نے ولید کے ساتھ جانے سے انکار کیا تو وہ برا مان جائیں گی اس لئے بادل ناخواستہ وہ ولید حسن کے پیچھے سر جھکائے چل پڑی۔

☆......☆......☆

پہلے تو اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسے الجھن ہو رہی تھی پھر جانے کیا سوچ کر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی مگر چہرے پر سے صاف پڑھا جا سکتا تھا کہ اسے ولید حسن کے پہلو میں بیٹھنا قطعی اچھا نہیں لگ رہا۔

۔ولید نے بھی اسے یوں منہ بنا کر آگے بیٹھتے ہوئے دیکھا کہ جیسے کہہ رہا ہو۔

"یہ کیا مصیبت ہے؟ ساری پراویسی ڈسٹرب کر دی اس لڑکی نے۔وہ بھی اس کے تاثرات دیکھ کر جیسے تپ سی گئی۔

" مجھے بھی کوئی خاص شوق نہیں ہے آپ کی اس کھٹارہ کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کا" اس نے اچھی خاصی گاڑی کو کھٹارا کہہ دیا۔" اس لئے آگے آ کر بیٹھ گئی کہ کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپکو ڈرائیور سمجھ رہی ہوں۔"

وہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا

"مطلب یہ کہ کوئی عقل کا اندھا ہی آپ جیسے بندے کو ڈرائیور رکھے گا آخر ڈرائیور رکھتے ہوئے بھی سمجھ

دار لوگ بہت سی چیزیں دیکھتے۔ ہیں" وہ اسے گھورے جا رہی تھی

"مثلاً عقل ,شکل ,تجربہ ,عمر ,اخلاق و کردار۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"وہ اس کی جلی کٹی باتیں سن کر لحاظ نہیں کیا کرتا تھا۔

"سمجھ دار لوگ؟ ہاہاہا مس سارا عزیز خان! آپ نے شاید سمجھدار لوگوں کا صرف نام ہی سن رکھا ہے دیکھے نہیں ہوں گے کبھی۔" طنز بھرے انداز ,میں وہ بولا تو سارا کو آگ لگ گئی۔

"سوری مسٹر آئیں بائیں شائیں! میرے گھر میں جگہ جگہ آئینے لگے ہوئے ہیں جن میں روز اپنی شکل دیکھتی ہوں۔" وہ بڑی شان سے گردن اکڑائے کہہ رہی تھی۔

وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔

"قسم سے آپ کا بھی بڑا جگرا ہے آپکے حوصلے کو سلام کرتا ہوں۔۔۔ کہ آپ اتنی باہمت ہیں۔۔۔ ایسا منہ اگر میرا ہوتا تو میں آئینوں سے ڈرتا رہتا بلکہ یہ آپ کی ہی ہمت ہے کہ گھر میں آئینے لگا رکھے ہیں ورنہ آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو گھر کے سارے آئینے توڑ تاڑ کر پھینک دیتا۔"

وہ غصے سے سرخ چہرہ لیے اسے گھورنے لگی ایسا منہ؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں کوئی چڑیل ہوں کوئی ڈائن ہوں کوئی بدروح ہوں؟ مطلب کیا ہے آپ کا"

وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا گیا اور ڈرنے کی اداکاری کرتے ہوئے بے ساختہ اسے خوف زدہ انداز میں دیکھا" ارے آپ نے تو اپنے تینوں نام بتا دیے نمبر ایک ,چڑیل! پیدائشی نام ,نمبر دو_ ڈائن! نک نیم۔۔اور۔۔۔اور خاندانی نام بھی مطلب پچھل پیری۔"

وہ اسے گھورتے ہوئے غصے میں اپنے دونوں ہاتھوں کو بھینچنے لگی جیسے بمشکل اس کی گردن پکڑ کر خوب زور سے مروڑنے کی شدید خواہش کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

۔وہ اس کی جوابی خاموشی پہ دل ہی دل میں حیران تھا کیونکہ چند دنوں میں یہ تو جان ہی گیا تھا کہ وہ پٹر پٹر کرتی لڑکی کسی بات پہ چپ ہو جائے یہ ممکن نہیں تھا۔

''چلو اترو میرا گھر آ گیا ہے۔'' وہ گاڑی کا دروازہ کھولے بےزار لہجے میں اسے باہر نکلنے کا کہہ رہا تھا۔

سارا نے گاڑی سے اتر کر اس پاس کا جائزہ لیا بڑے سے اینٹیک کلر کے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی دائیں جانب بڑا سا لان نظر آ رہا تھا خوبصورت رنگ برنگے پھولوں نے گھر کے داخلی رستے کو بہت خوبصورت بنایا ہوا تھا۔لان کے اختتام پہ طویل برآمدہ تھا جس میں خوبصورت بید کی چھ کرسیاں اور ایک میز پڑی تھی سارا نے دیکھا لکڑی کے منقش صوفے برآمدے کی دیوار کے بالکل ساتھ رکھے گئے تھے اور ساتھ ہی خوبصورت سرخ گملے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے جن میں نازک ان ڈور پلانٹس اپنی خوبصورتی بکھیر رہے تھے ماحول بہت تروتازہ اور خوشگواری کا احساس لیے ہوئے تھا۔۔۔ برآمدے کے ستونوں کے ساتھ سبز بیلیں یوں لپٹی ہوئی تھیں جیسے ستونوں کا حصہ ہوں۔برامدے کا فرش دیکھنے والے کی فوری توجہ کھینچتا تھا۔کالی اور سفید ٹائلز پالش شدہ تھیں جو ہلکی ہلکی دھوپ میں چمک رہی تھیں

وہ سیڑھیوں سے ہو کر لاونج کے بھاری منقش دروازے کو ایک ٹک دیکھے گئی بڑی نفیس نقاشی کی گئی تھی اس دروازے پر سارا کو لگا جیسے کسی جادوئی محل کا دروازہ ہے'' جسے کھل جا سم سم سے ہی کھولا جا سکتا ہوگا۔۔۔لیکن دروازے پہ پہنچ کر اندازہ ہوا کہ تھوڑا سا کھلا ہوا ہے۔گھر میں داخل ہوئی تو اک عجیب قسم کے احساس نے اس کے دل میں اداسی کی لہر سی دوڑا دی۔

''ہائے ری میری قسمت۔ بھلا کوئی یوں رخصت ہوتا ہے میکے سے جیسے میں ہوئی؟ یا کوئی ایسے داخل ہوتا ہے سسرال میں جیسے میں داخل ہو رہی ہوں۔بھلے یہ شادی میرے لیے بلکہ ہمارے لیے اک جھوٹ، اک سزا، یا فقط مصلحت ہے،لیکن پھر بھی کوئی تو ہوتا جو دلہن کے چاؤ پورے کرتا رسمیں ہوتیں ہائے ڈراموں فلموں میں کیسے سینز دیکھاتے ہیں اس لمحے کے۔۔اس کی آنکھوں میں وہ سارے مناظر اپنی تمام تر رنگینی کے ساتھ جم سے گئے تھے جو وہ بڑی دلچسپی سے کچھ فلموں میں یا ڈراموں میں دیکھا کرتی تھی۔

اس نے چشم تصور سے دیکھا۔دلہن کے قدموں تلے سرخ پھولوں کا قالین سا بنایا جاتا جس پہ قدم رکھتی دلہن اک شان بے نیازی سے دھیرے دھیرے چلتی آپنے بیڈروم تک دولہا کا ہاتھ تھامے جاتی جہاں بیڈروم کے دروازے پہ بہنیں بھابیاں منتظر کھڑی ہوتیں کہ دولہا سے دروازے کی پہرہ داری کا نیگ وصول کرنا ہے شاندار

شخصیت کا مالک ہنس مکھ دولہا اک ادا سے ڈیزائنر شیروانی کی جیب سے بٹوہ نکالتا اور بہنوں بھابھیوں کو تھما کر رستہ صاف کرتا یہ کہتے ہوئے کہ ''آج تو کوئی ہم سے سب کچھ بھی مانگ لے ہم دینے کو تیار ہیں کیونکہ آج مرادوں بھری رات ہے آج دعاؤں کی قبولیت کی گھڑی ہے۔۔۔۔۔۔ یہ تو چند پیسے ہیں یہ تو میری دلہن کا صدقہ ہے۔''

بہنیں بھابھیاں شور مچانے لگتیں۔۔۔اور دولہا دلہن کا ہاتھ پکڑے یا بعض اوقات گود میں اٹھائے بیڈ روم میں آ جاتا۔۔۔ابھی وہ تصورات کے حسین محل کی چاردیواری میں ہی گھوم پھر رہی تھی کہ اچانک ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔

''ارے ارے اس بے چاری نابینا کو کیوں لے آئے گھر میں؟'' وہ سوچوں میں کھوئی سیدھی زیتون خالہ سے ٹکرا گئی تھی جو اسے اندھا سمجھنے میں حق بجانب تھیں کیونکہ اتنی بھاری بھرکم خالہ کمزور نظر والوں کو بھی صاف نظر آ جاتی تھیں۔۔۔وہ ہمدردی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''سوری زیتون خالہ یہ اندھی نہیں ہیں بلکہ آنکھ والی اندھی ہیں۔۔۔۔بس دعا کریں کہ سب ٹھیک ہو جائے ورنہ تو نہیں لگ رہا کہ۔۔۔ کچھ بھی ٹھیک ہو گا۔۔۔ یہ ہیں وہ نایاب تحفہ جو میری آپا نے مجھے دیا ہے۔۔ جانے کس جرم کی سزا ہے یہ لڑکی؟''

وہ آخری جملہ ہونٹوں میں ہی بڑبڑانے لگا تھا زیتون خالہ کے کان ذرا بھاری تھے لیکن اس کے کان تو خوب تیز تھے وہ منہ بنا کر اسے دیکھنے لگی وہ بات اُدھوری چھوڑ کر چھت کی طرف دیکھنے لگا تھا

''ارے بٹیا تم دلہن ہو ولید بیٹے کی؟ وہ شاید انہی کی منتظر تھیں۔۔

''بٹیا بے چاری چند گھنٹوں میں نکلنے والی ہیں ابھی بھی کاموں میں الجھی ہوئی ہیں لیکن مجھے تین بار فون کر چکیں کہ ولید میاں کا بیڈ روم سجاؤں دلہن کا استقبال کروں اور اسے کمی نہ محسوس ہونے دوں کہ وہ گھر میں اکیلی ہے کوئی عورت اس کے استقبال کے لیے نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ بس اللہ کی طرف سے یہ سب کچھ ہونا لکھا تھا ورنہ ہماری بٹیا کو بہت شوق تھا کہ خوب دھوم دھام سے شادی کریں گی ولید بیٹے کی''

وہ اسے سر سے پاؤں تک پسندیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"آؤ بٹیا تمہیں تمہاری جنت کی سیر کراؤں۔۔ ہمارے ہاں بابل کا آنگن نہیں بلکہ شوہر کا گھر ہی عورت کی جنت مانا جاتا ہے اللہ تمہاری یہ خوبصورت جنت آباد رکھے آمین ثم آمین۔" وہ اس کا سر چوم کر بولیں۔۔۔

زیتون خالہ اسے لیے سارا گھر دکھانے لگیں وہ بھی شوق سے ہر چیز دیکھتے ہوئے مختلف سوالات بھی کرتی جارہی تھی جس کے مطابق کچھ آپا نے اور کچھ ولید حسن نے خود اس گھر کو سجایا سنوارا تھا وہ اسے لیے بیڈروم میں داخل ہوئی تو ولید حسن بیڈ پر الٹا لیٹا ہوا تھا جبکہ بیڈروم ہوتے ہی خوبصورت تازہ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو نے اس کا استقبال کیا تو اس نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا پھولوں کا بڑا سا گلدستہ سائیڈ ٹیبل پہ بڑی نفاست اور سلیقے سے خوبصورت نازک اور نفیس گلدان میں سجا ہوا تھا۔

"بٹیا شرمندہ ہوں کہ تمہارے استقبال کے لئے اس سے زیادہ نہ کرسکی موقع ہی ایسا ہے اور دوسرا یہ بابو بھی لاپرواہ ہے اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے کئی دفعہ فون کرکے کہا کہ دلہن کے استقبال کے لیے کچھ تیاریاں کرنی ہیں گاڑی بھیج دو کہ ڈرائیور کے ساتھ بازار چلی جاؤں اب ہڈیوں میں دم نہیں رہا ورنہ اکیلی جان سب کچھ سنبھالتی تھی۔ وہ ہماری بٹیا تو اپنی الجھنوں سے باہر نہیں نکلتی کہ یہاں کے کام کیا دیکھے گی۔۔۔۔ اچھا میں بھی کہانی لے کر بیٹھ گئی ایسا کرو کہ میں چائے لاتی ہوں آپ کپڑے بدل لو جلدی سے۔"

زیتون خالہ نے اسے پھولوں کی طرف متوجہ دیکھ کر پورا قصہ سنا دیا

"خوب گزرے گی زیتون خالہ آپ دونوں کی۔۔ ہاں کبھی کبھی ایکسیڈنٹ کا خطرہ یا امکان بھی ضرور رہے گا کیونکہ بریک دونوں کی، زبانوں کے فیل ہیں اور بریک فیل تو ٹکراؤ تو یقینی ہے۔"

وہ لیٹے لیٹے طنز کرنا نہیں بھولا تھا۔

وہ الٹے پڑے ولید حسن کی طرف ناگواری سے دیکھتی ہوئی سوچنے لگی "ہونہہ ایسے ہوتے ہیں جلے بھنے سے بابو کوئی موقع جانے نہیں دیتے ہاتھ سے طنز کا"

۔اس نے کمرے کی سیٹنگ دیکھی۔ سارا فرنیچر کالے رنگ کا تھا چنیوٹی طرز کے منقش بیڈ اور ساتھ پڑی سائیڈ ٹیبلز پر چھوٹی چھوٹی چیزیں پڑی ہوئی تھیں جس سے کمرہ گندا گندا لگ رہا تھا

"ڈریسنگ اور واش روم ادھر ہیں۔۔۔ آپ کے کپڑے اور دیگر سامان بھی ادھر الماری میں ہے۔۔۔ اور

سنیں اپنا ناول یاد سے نکال لیں میں اپنے ناول کے ساتھ کسی کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتا کمرہ تو مجبوری میں شیئر کرنا پڑے گا مگر بھول کر بھی ناول شیئر نہیں کر سکتا۔" اس کا انداز جلانے والا تھا اور وہ حسب توقع بگڑ گئی اور تپ کر جواباً بولی۔

"میں بھی ایسے ہی اک بنگلے سے آئی ہوں ولید حسن صاحب! کسی خانہ بدوشوں کی بستی سے نہیں آئی کہ مجھے ڈریسنگ اور واش روم کا پتہ نہ ہو۔۔اور میرے سامان میں پورا ایک بیگ میرے ناولز کا پڑا ہے میں فرش پہ پوچا مارنے والے گندے کپڑے کو ہاتھ نہیں لگاتی۔"

بیڈ پہ اس کے پاؤں کے ساتھ ہی ایک مٹیالے سے رنگ کا پرانا تولیہ پڑا تھا جو شاید سکھانے کے لیے پھیلا کر ڈالا گیا تھا۔اس نے پاؤں سے تولیہ اٹھا کر اوپر کیا اور بغور اس کا معاینہ کرنے پر اسے احساس ہوا کہ واقعی وہ اسے فرش پہ مارنے والا پوچا ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔

چند منٹ بعد جب وہ نہا کر تیار ہوئی اور اس الٹے لیٹے ڈاکٹر پہ اک ناگواری سے بھرپور نظر ڈال کر یہ سوچتے ہوئے باہر نکلنے لگی کہ" اس بندے کو کسی نے سونے کی تمیز بھی نہیں سکھائی خود کو رنبیر کپور سمجھتا ہے انو پم کھیر کہیں کا۔"

"۔آپا اپنے شوہر کے ساتھ ادھر سے ہی رخصت ہوں گی ولید کا گھر ایئر پورٹ سے قریب تھا اسی لیے انہوں نے کہہ دیا کہ ادھر سے ہی نکلیں گے۔

"بہت افسوس ہے مجھے کہ۔۔۔نہ تمہارے ارمان پورے کر سکی نہ اپنے۔۔۔ولید کی شادی کو لے کر بہت کچھ سوچ رکھا تھا لیکن یہ سب کچھ ایسے ہی ہونا تھا کیونکہ یہ سب نصیب کا لکھا تھا۔۔اس بہانے ہمیں بھابھی کی شکل میں اک چمکتا ہوا قیمتی ہیرا مل گیا ہے۔ماشاء اللہ۔ماشاء اللہ میری شہزادی کتنی سندر لگ رہی ہے۔۔" انہوں نے سارا کو بڑی محبت سے گلے لگاتے ہوئے تعریف کی جو ولید حسن سے ہضم نہ ہو سکی۔۔

" لمبے سفر پہ جا رہی ہیں میری پیاری آپا جان! یوں نہ کہیں۔۔گناہگار ہوں گی۔" وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

" میرے بھیا کہیں بہن کی متوقع جدائی نے تمہارے دماغ پہ تو اثر نہیں کر دیا؟ آپا نے افسوس بھری

نظروں سے بھائی کو دیکھا۔

"ابھی ابھی آپ نے کتنا بڑا جھوٹ بولا۔اور جھوٹ بولنے والا گناہگاروں میں شامل ہوتا ہے۔" آپا نے اسے گھورا۔۔جبکہ سارا پہلو بدل کر رہ گئی۔۔سبز رنگ کے شیفون کے ایمبر ایڈری والے سوٹ میں سبز سلک کے لیس لگے دوپٹے کے ہالے میں اس کی اجلی رنگت اور چمکتی آنکھوں پہ اٹھتی گرتی پلکوں نے اسے عجیب سا حسن بخشا ہوا تھا اس نے ہلکی اورنج کلر کی لپ سٹک لگا رکھی تھی جس سے چہرہ کھل سا گیا تھا

۔زیتون خالہ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھکر اس پہ پھونک رہی تھیں کہ وہ خود کو بولنے سے باز نہ رکھ سکا۔

"دیکھ لیں سارا !زیتون خالہ آپ کو دیکھ کر منہ ہی منہ میں بڑابڑا کر کہہ رہی ہیں جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو۔" اس کی بات سن کر زیتون خالہ۔۔آپا اور سارا بھی اسے گھورنے لگے۔۔۔تو اس نے شرارت سے سر کھجانا شروع کر دیا۔

وقت رخصت وہ خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا لیکن اندر ہی اندر اپنے آپکو بالکل اس رات کی طرح اکیلا محسوس کر رہا تھا جب آپا رخصت ہو کر اپنے گھر گئی تھیں آپا بھی اس کے اندرونی جذبات سمجھ رہی تھیں اس کی اک اک ادا سے واقف تھیں وہ۔۔۔لیکن ان کے بس میں کچھ بھی نہیں تھا

"دیکھو سارا میرے بھائی کا بہت خیال رکھنا ہے اس سے اپنے کھانے پینے کی بالکل فکر نہیں ہوتی پورا پورا دن بھوکا گزار دیتا ہے۔"

آپا کے گلوگیر لہجے میں کہے گئے الفاظ سن کر سارا نے طنزیہ انداز میں اس کے سرخی مائل چمکتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا جوڑا سینہ مضبوط بازو اور اونچا لمبا قد

"ہونہہ یہ ہوا کھا کھا کر ہی اتنے صحت مند ہیں تو کھا پی کر تو کیا ہی بن جائیں گے؟۔"

وہ دھیرے سے بڑبڑائی تو پاس کھڑے ولید حسن نے سن کر پھر سے سر کھجانا شروع کر دیا

"آپا! دعا کرنا کہ مجھے خدا آفتوں سے اور خوفناک بلاؤں سے محفوظ رکھے آپ سب جانتے تو ہیں کہ مجھے چڑیلوں اور بلاؤں سے کتنا ڈر لگتا ہے۔" وہ سیدھا سارا کے سرخ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"۔اور آپا میں نے تو آپ کو بتایا نہیں لیکن اسپتال میں ایک دن میں نے چھل پیری بھی دیکھی تھی۔۔۔

میری بھولی آپا آپ کو تو شاید پتہ نہ ہو لیکن آج کل کی ماڈرن چھل پیریاں ہاسپٹلز کے علاوہ ہوٹلز میں بھی نظر آتی ہیں اور کسی خوبصورت سمارٹ لڑکے کو دیکھ کر تعلقات بنانے کے لئے ہاتھ میں چکن پیس اٹھائے اس کی ٹیبل پر آ کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔۔آپا میرے اوپر کوئی دم پھونک کر جائیں یا کوئی وظیفہ بتا دیں کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ چھل پیری میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔"

وہ گاڑی میں ایرپورٹ کی طرف جا رہے تھے اس کی باتیں سن کر آپا نے خوف زدہ انداز میں اپنے شوہر کی طرف دیکھا" آپ ہنس رہے ہیں اور ادھر میرا سانس رکا ہوا ہے۔۔ایک ہی بھائی ہے میرا ساری دنیا میں اس کے علاوہ میرا اور کوئی سگا رشتہ نہیں ہے" وہ روہانسی ہو گئیں۔

"لو سن لو ولید حسن !اب ہماری بیگم نے ہمیں سوتیلا شوہر کہہ دیا ہے۔ارے یار بیگم قسم سے میں آپ کا سگا شوہر ہوں۔" وہ شرارتی انداز میں بیوی کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔۔تو سبھی مسکرا دیے۔

ولید حسن نے دیکھا اس کی باتوں کے ردعمل میں سارا کا منہ بنا ہوا تھا لیکن اسے کونسی پرواہ تھی وہ تو بہن کی جدائی کا ماتم اندر ہی اندر کرتے ہوئے اوپر سے مطمئن نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"نہ کر خود پہ ظلم" آپا رخصت ہوتے ہوئے اسے سینے سے لگا کر روتے ہوئے بولیں۔" رو لے ۔۔۔بالکل ویسے ہی جیسے میں تمہیں چھوڑ کر رخصت ہوئی تھی تو پھوٹ پھوٹ کر روئے تھے آج بھی رخصتی ہے بہن کی۔۔۔۔تیرا رونا تو بنتا ہے۔" وہ ان سے لپٹا ہوا تھا آنسو بمشکل روک رکھے تھے جانتا تھا کہ وہ تو رو کر جی کا بوجھ ہلکا کر لے گا لیکن بہن کو اس کے آنسو مہینوں اداس رکھیں گے۔

آپا سارا کو جاتے جاتے بھی گھر اور گھر والے کو سنبھالنے کی نصیحتیں کرتی رہیں۔

"آپا پلیز میری مما کی صحتیابی کے لیے بہت سی دعائیں کیجیے گا کیونکہ مسافروں کی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔" اس نے درخواست کی تو وہ سارا کو گلے سے لگا کر پیار سے بولیں

"چندا وہ مجھے بھی بہت عزیز ہیں اور اب ہمارے جانے کے بعد تو تم اور شگفتہ آنٹی ہی ہو جو ولید کے لیے اہم ہو ضروری ہو اللہ تم دونوں کو ہمیشہ سلامت رکھے۔"

☆......☆......☆

واپسی کے سفر میں وہ بالکل خاموش تھا سارا بھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی اک عجیب سی اجنبیت تھی جو اکیلے میں ان دونوں کے درمیان آ کر بیٹھ جاتی تھی جسے دونوں کی طرف سے خوب آؤ بھگت ملتی تھی اس اجنبیت کو کوئی بھی درمیان سے اٹھانا نہیں چاہتا تھا نہ سارا عزیز خان نہ ڈاکٹر ولید حسن۔

''ہاسپٹل جاتے ہیں۔'' سارا نے باہر دیکھتے ہوئے سرسری سے انداز میں کہا

''جی وہیں جا رہے ہیں۔۔آپ اگر چاہیں تو آنٹی کے پاس رک جائیں میں بہت سخت تھکا ہوا ہوں ان سے ملتا ہوں اور پھر گھر واپس آتا ہوں اتنے دنوں سے میں ایک پل بھی سکون سے نہیں سویا۔'' تھکن اس کی آواز سے بھی ظاہر ہو رہی تھی وہ اس کی بات ان سنی کر کے باہر دیکھتی رہی۔

''ہاسپٹل میں داخل ہوتے ہی وہ بولا'' ایسا کریں آپ آنٹی کے روم کی طرف جائیں میں ذرا ڈاکٹر نوفل سے مل کر آتا ہوں۔'' اس کی سنجیدگی کے جواب میں سارا بھی خاموشی سے ماں کے روم کی طرف بڑھ گئی

''خدا کے لیے شگفتہ اب مجھے دوبارہ اکیلے چھوڑ کر مت جانا میں نے اتنے سال فقط تمھاری یادوں کے سہارے گزارے ہیں اور اب میں سہاروں کے بغیر جینا چاہتا ہوں۔''

وہ دبے پاؤں کمرے کا دروازہ دھیرے سے کھول کر اندر داخل ہوئی تھی کی دواؤں کے زیر اثر مما کہیں سو نہ رہی ہوں اور میری آمد سے ان کی نیند میں خلل نہ پڑ جائے۔۔اسے کیا معلوم تھا کہ اندر کا منظر اس کی ذات کو ٹکڑوں میں بدلنے والا ہے۔۔وہ لمحہ شاید قیامت سے بھی زیادہ خوفناک تھا اس نے بے ساختہ قریبی دیوار کا سہارا لیا اس کے سر میں مسلسل دھماکے ہو رہے تھے۔۔دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ اسے اپنی دھڑکنیں اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھیں اسکی نیک اور پارسا ماں جن کے کردار کی گواہی سارا زمانہ دیتا تھا۔۔بیوگی کے بعد کئی برسوں میں بھی انھوں نے اپنے کردار کو صاف شفاف آئینے جیسا رکھا تھا اور اب اچانک ہی وہ آئینہ ٹوٹ گیا تھا اور کرچیوں میں بدل کر اس کی آنکھوں میں اس کے دل میں چبھ رہا تھا

''اف میرے خدایا۔'' اس نے اپنے چکراتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں میں یوں تھام لیا تھا کہ جیسے نہیں تھامے گی تو سر پھٹ جائے گا۔

''پلیز ابراہیم میرا ہاتھ چھوڑ دو۔۔میں نہیں چاہتی کہ کوئی بھی ہمیں اس حال میں دیکھ کر کسی بھی طرح کی

غلط فہمی کا شکار ہو۔۔ میں ایک بیوہ عورت ہوں اور ایک جوان بیٹی کی ماں بھی ۔۔آپ اس معاشرے کے ایک ایسے مرد ہیں کہ چاہے کچھ بھی کر لیں لیکن آپ پر انگلی نہیں اٹھائی جائے گی کیونکہ آپ مرد ہیں۔۔۔ جبکہ میں ایک کمزور عورت ہوں ہمیشہ سے ہر ستم میں نے سہا ہے اب مزید مجھ میں ہمت نہیں کہ کوئی اور ستم سہہ سکوں۔'' وہ تھکے تھکے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''تمہارے حصے کے سارے درد میں بار بار تم سے مانگتا رہا تمہارے جسم کے سارے کانٹے میں اپنی پلکوں سے چن کر تمہیں دوبارہ زندگی دینا چاہتا تھا۔۔۔ لیکن تم نے تو مجھے میرا قصور بھی نہیں بتایا اور سزا سنا دی۔۔۔ اور سزا بھی ایسی سنائی شگفتہ کہ جس کی کوئی مدت کوئی حد ہی نہیں تھی عمر قید کی بھی اک حد ہوتی ہے حساب ہوتا ہے لیکن میں برسوں سے ہر روز یہ سوچتا ہوں کہ شاید میری سزا کا یہ دن آخری دن ہو لیکن وہ دن میری زندگی میں ابھی تک آیا ہی نہیں میں بے قصور ہوں مگر پھر بھی سزاوار ہوں۔''

سارا سب سن رہی تھی اس کے دل و دماغ میں آندھیاں سے چل رہی تھیں۔۔ کئی سوالات تھے جو وہیں کھڑے کھڑے پل بھر میں اس کے ذہن میں پیدا ہو گئے تھے

''تو یہ عاشقی معشوقی میرے باپ سے شادی سے پہلے کی ہے؟ مما! میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔۔ آپ تو میرے لیے ایک آئیڈیل تھیں۔۔ کسی بھی بیٹی کے لیے یہ لمحہ کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے جب اسے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کی ماں اس کے باپ سے نہیں کسی اور سے محبت کرتی تھی۔۔ اپنے باپ کا بے قصور چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا۔

''ابراہیم پرانی باتوں کو بھول جائیں۔۔ جو ہوا اس کے پیچھے بہت سی ایسی کہانیاں چھپی ہوئی ہیں جنہیں ہمیشہ چھپائے رکھنے کے لئے تائی جان نے مجھے آپ کی قسم دی تھی۔ اور اب برسوں بعد میں وہ قسم کیسے توڑ سکتی ہوں؟ آپ مجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھو گے کیوں کہ میں کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتی۔'' سارا نے دیکھا انہوں نے اپنا ہاتھ ڈاکٹر ابراہیم کے ہاتھ سے چھڑا لیا تھا'' اسی لمحے کمرے میں پیچھے سے نرس کی آمد ہوئی تو وہ جلدی سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے آن کھڑی ہو گی۔'' سارا میری جان تم آ گئی ہو؟ شگفتہ عزیز خان کی متغیر شکل چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ ان کے دل میں کوئی چور ضرور ہے۔

ڈاکٹر ابراہیم بھی جلدی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے انہوں نے سارا کی چبھتی ہوئی نظروں سے بچنے کے لیے فائل اٹھا کر اسکی ورق گردانی شروع کر دی۔

''بیٹا اب آپ کی ماں کی طبیعت بہت اچھی ہے'' انہوں نے بنا اس کی طرف دیکھے کہا۔''یقیناً سر! جس مریضہ کے معالج آپ ہونگے۔۔ان کی طبیعت ہر صورت میں ضرور سنبھلے گی۔۔۔آپ جیسے مسیحا تو ہر کسی کو میسر نہیں ہوتے۔۔اور پھر آپ جس طریقے سے ان کا علاج کر رہے ہیں وہ بھی کمال ہے۔۔آپ کا بہت شکریہ بار بار مما کو دیکھنے آتے ہیں۔۔حالانکہ آپ کے اور بھی کئی مریض یہاں پر موجود ہیں لیکن اللہ آپ کو جزا خیر دے کہ آپ نے ہمیں اتنی عزت بخشی ہوئی ہے۔''اس کی باتوں کے پیچھے گہرا طنز چھپا ہوا تھا لیکن ڈاکٹر ابراہیم نے یہ سب محسوس نہیں کیا بلکہ وہ اسے سارا کی احسان مندی ہی سمجھ رہے تھے۔

''نہیں بیٹا۔۔ یہ تو میری ڈیوٹی ہے میرا فرض ہے جو میں نبھانے کی بھرپور کوشش کرتا ہوں بس دعا ہے کہ۔۔ کاش اللہ تعالیٰ کو میری کوئی ادا پسند آ جائے اور میں اس کے ان بندوں میں شمار ہونے لگوں۔۔کہ جن کے دل کے سارے ارمان وہ پورے کر دیتا ہے۔''وہ کنکھیوں سے شگفتہ کو دیکھتے ہوئے بولے

تو سارا کا جی چاہا کہہ دے''ڈاکٹر صاحب دل کے ارمانوں کی بھی ایک عمر ہوتی ہے اپنا ایک وقت ہوتا ہے۔۔اب آپ ایک بیوہ عورت کے ساتھ ٹین ایجرز جیسا عشق کرتے اچھے نہیں لگیں گے۔۔۔لیکن وہ ماں کی طرف دیکھ کر چپ رہ گئی۔

ڈاکٹر ابراہیم چلے گئے نرس نے شگفتہ کو انجکشن لگایا اور جب وہ انہیں آرام کا کہہ کر نکل گئی تب سارا ان کے پاس بیٹھی انہیں بغور دیکھنے لگی۔

''ولید کہاں ہے؟اور بہن کے جانے پہ بہت اداس ہوگا تم اسے اکیلا نہ چھوڑتیں۔''وہ نقاہت زدہ آواز میں بولتی ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہوئے کترا رہی تھی۔

کچھ دیر پہلے والے بولتے منظر نے اسے سر سے پاؤں تک بدل ڈالا تھا جیسے بادل کا ایک ٹکڑا سورج کے مقابل ٹھہر جانے سے پل بھر میں سارا منظر بدل دیتا ہے چمکتی دھوپ کی روشنی یکدم گہرے سائے کا روپ دھار لیتی ہے۔۔کبھی کبھی یہ منظر اچھا لگتا ہے جب گرم جلتی دوپہروں میں سورج روشنی کے ساتھ ساتھ تپش اور بلا کی

حدت دے رہا ہوتا ہے۔لیکن کبھی کبھی یہ منظر بہت برا بھی لگتا ہے جب سرد برفیلی صبح سورج کی طرف ذرا سی تپش کے لیے امید بھری نظروں اور ٹھنڈے یخ ہاتھوں کو مل کر دیکھتے ہوئے اچانک صبح کے نئے نویلے سورج کا بدن بادل کا ایک ٹکڑا ڈھانپتا ہے تب منظر کا یہ بدلاؤ اچھا نہیں لگتا اس کے ساتھ بھی تو یہ ہی ہوا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو سارا! ؟'' ماں نے اس کی غیر معمولی خاموشی محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''۔پتہ نہیں کیوں آج بابا بہت یاد آ رہے ہیں وہ گلے میں پھنسے آنسوؤں کے پھندے اور اسی پھندے سے اپنے گھٹتے ہوئے دم کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکی تھی۔۔۔اسے رونے کا بہانہ ڈھونڈنے میں وقت لگتا تو شاید سانس نہ لے پاتی۔

''ایسا لگتا ہے۔۔۔جیسے بابا آج ہی مجھے چھوڑ کر گئے۔۔۔ ہوں ایک پل کے لیے بھی جو شخص آپ سے بے خبر نہ رہتا ہو وہ یوں اچانک کسی اور جہان کے سفر پہ نکل جائے بنا بتائے، بنا آپ سے اجازت لیے، بنا یہ سوچے کہ ان کے بغیر جینا ان کے بغیر رہنے کی ہمت۔۔۔دوسرے میں ہے بھی یا نہیں؟''

اس کے رونے سے ماں کو شدید تکلیف ہو رہی تھی لیکن شاید وہ اپنی تکلیف سے آگے نہ سوچنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔۔اسی لیے ماں کے زرد چہرے پہ پھیلتی درد کی نیلاہٹ اسے نظر نہ آ سکی۔

''یہ کیا بے وقوفوں والی حرکت کر رہی ہیں ؟۔۔۔آپ کو اندازہ بھی ہے کہ اس وقت آنٹی کی حالت کیسی ہے؟ اور یہ کتنی تکلیف اور اذیت میں ہیں؟ اور۔۔۔اور بجائے اس کے کہ آک بیٹی ہونے کا فرض نبھاتے ہوئے تم انہیں تسلی دو دلاسے سے درد کم کرو تم ان کے سامنے ان کا ماتم کر رہی ہو جنہیں واپس لانا ممکن ہی نہیں۔'' وہ حد درجہ غصے میں تھا۔

''۔۔دیکھیے سارا یہ جو آپ کے پاس ماں ہے نا اس رشتے کے لیے بہت سے لوگ ترس رہے ہیں اس رشتے کی قدر کریں اس رشتے سے محرومی بہت بڑی محرومی ہے۔۔۔۔ان سے پوچھیں جن کی مائیں انہیں دنیا کے اس میلے میں کھو جانے کے لیے انہیں اکیلا چھوڑ گئی ہیں۔۔۔'' اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی وہ اسے ڈانٹ بھی رہا تھا اور سمجھا بھی رہا تھا ۔

۔وہ عجیب سی کیفیت میں بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''میری گڑیا! آج ولید بیٹے کو اکیلا نہ چھوڑنا اس کے لیے آج کی رات بہت درد بھری رات ہو گی اسے یہ احساس ہو گا کہ جیسے دوسری بار اس کی ماں اس سے دور ہوئی ہو۔۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں تم اپنے شوہر کو وقت دو اسے خوش رکھو۔'' شگفتہ نے آنکھیں موند لی تھیں اور وہ نیم غنودگی میں ہی اسے سمجھا رہی تھیں۔

شاید انجکشن کا اثر تھا کہ اگلے ہی پل وہ سو چکی تھیں

''چلیں انھیں اب ان کو اکیلا چھوڑ دیں انہیں آرام کی بہت ضرورت ہے۔۔۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اب یہ صبح ہی جاگیں گی۔''

ولید حسن کی بات سن کر وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی

'' اکیلا؟۔۔۔ میں انہیں اکیلا چھوڑ بھی دوں تو مسٹر ولید حسن! آپ کے ڈاکٹر ابراہیم انہیں اکیلا چھوڑتے ہی نہیں۔۔۔ جب دیکھو میری مما کے سرہانے کھڑے ہیں جیسے پورے ہاسپٹل میں بس یہی مریضہ ہوں۔ آپ ۔۔ان سے کہیں کہ اور مریضوں کو بھی ان کی توجہ کی ضرورت ہے۔''

وہ ماں کے پاؤں پر چادر پھیلاتے ہوئے بولی تو اس کی بات سن کر ولید حسن نے ایک پل کے لیے آنکھیں چرا لی تھیں۔

''ہاں تو اس میں غصہ ہونے والی کونسی بات ہے؟ ماشاءاللہ آنٹی اتنی خوبصورت اور پروقار شخصیت کی مالکہ ہیں لگتی ہی نہیں کہ ایک جوان بیٹی کی ماں ہیں۔۔۔ کوئی بھی انہیں دیکھ کر ان سے متاثر ہو سکتا ہے۔۔ ڈاکٹر ابراہیم کا ان سے متاثر ہونا کوئی انوکھی بات تو نہیں ہے۔ قسم سے آپ کو دیکھ کر تو لگتا ہی نہیں کے آپ ان کی بیٹی ہیں۔'' وہ اپنی دھن میں بولے گیا شاید یہ بات کر کے وہ اس کے تاثرات دیکھنا چاہ رہا تھا۔

وہ غصے میں پلٹی اور اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی

''مسٹر ولید حسن! آپ کی والدہ فوت ہو چکی ہیں وہ اگر زندہ ہوتیں تو میں آپ سے پوچھتی۔۔۔۔ کیونکہ ہر اولاد کی طرح مجھے بھی اپنی ماں کے ساتھ اپنے باپ کے علاوہ اور کسی کا نام بھی اچھا نہیں لگتا۔ آج تو آپ نے یہ فضول اور گھٹیا بات میرے سامنے کی ہے اس کے بعد اگر آپ نے یہ موضوع چھیڑا یا اس طرح کی کوئی اور بات کی تو مجھ سے برا اور کوئی نہیں ہو گا سمجھے آپ؟''

وہ اپنے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اسے گھورتے ہوئے انگلی اٹھا کر آئندہ کے لیے تنبیہ کر رہی تھی۔

"آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے محترمہ کے میرے لئے اب بھی اپ سے برا اور کوئی نہیں ہے۔۔اور مجھے آپ سے اسی بیوقوفی والے جواب کی ہی توقع تھی۔۔ہم تو سوچ رہے تھے کہ آنٹی کے صحت یاب ہوتے ہی ان کے لیے ڈاکٹر ابراہیم کا پرپوزل بھیجیں گے ہم سے مراد میں اور ڈاکٹر نوفل ہیں۔" وہ اس کی بات سن کر حیرت اور صدمے بھری نظروں سے اس کا چہرہ تکنے لگی تھی۔

"یہ کیسا مذاق ہے ولید صاحب؟" اب کی بار وہ بیچارگی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

اس کے لہجے کی بے بسی بھانپ کر ولید حسن اسے ہمدردی سے دیکھنے لگا۔

"سوری مس سارا! میں تو یوں ہی مذاق کر رہا تھا۔آپ اللہ سے دعا کریں کہ آنٹی کو اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائے اور ان کی یہ موذی بیماری ہمیشہ کے لیے ان سے دور ہو جائے۔" اس کی بات سن کر وہ پریشانی سے اسے دیکھنے لگی

"کیا مطلب.... ابھی مما ٹھیک نہیں ہوئیں؟ کیا اب بھی خطرے والی کوئی بات ہے؟ وہ اس سے آگے چل رہا تھا سارا تیزی سے آگے بڑھی اور اس کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئی۔" مجھے بتائیں کہ کیا بات ہے۔۔کہیں کینسر نے مما کے باقی جسم کو تم متاثر نہیں کر دیا؟" اس کا سوالیہ لہجہ خوف میں ڈوبا ہوا تھا۔

"خدانہ کرے اگر ایسا ہو تو پھر کیا ہوگا؟" وہ شدید پریشانی کے عالم میں اپنی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

"ان کا ایک ٹیسٹ گیا ہوا ہے انشاء اللہ ایک دو دن میں اس کا رزلٹ آجائے تو ہم اصل صورتحال جان پائیں گے۔۔ان کو دعاؤں کی بہت ضرورت ہے آپ خوب دعا کریں کیونکہ بیٹیوں کی دعائیں تو اللہ ضرور سنتا ہے۔" وہ بے خیالی میں اس کے پیچھے چلتی ہوئی گاڑی تک آگئی تھی۔

"آپ نے اگر گھر چلنا ہے تو میرے ساتھ چلیں۔۔آنٹی کی بھی یہ ہی خواہش ہے اور انہیں فی الحال کسی کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ وہ دواؤں کے زیر اثر اب سکون سے ہوں گی۔"

وہ اس کی بات سن کر چند لمحے سوچتی رہی۔

" مجھے پتہ ہے اگر میں آج ہاسپٹل میں رک گئی تو مما خفا ہوں گی۔۔۔ لیکن مجھے آپ کے ساتھ بھی نہیں

جانا۔۔آپ ایسا کریں گے مجھے میرے گھر اتار دیں وہ اس کی آنکھوں میں لکھے سوال اور حیرت پڑھ کر بھی انجان بنی رہی۔ ''شیداں گھر میں ہوگی اور مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو میں فجر کو بھی بلالوں گی آپ تو جانتے ہے اس کا گھر میرے گھر کے ساتھ ہی ہے۔''

ولید حسن سمجھ گیا تھا کہ وہ ہر صورت میں اس سے جان چھڑانا چاہ رہی ہے۔۔اور کسی صورت بھی اسکے ساتھ نہیں جائے گی۔

''ٹھیک ہے مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔۔آپ یہاں رہیں یا وہاں رہیں مجھے اس سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔۔'' ولید نے بیزار لہجے میں کہا تو وہ اندر ہی اندر جل گئی لیکن اب ہر بات پہ لڑائی لڑتے لڑتے تھک سی گئی تھی وہ۔اس لیے چپ ہی رہی۔

۔گیٹ پر اسے اتار کر وہ باہر سے ہی واپس چلا گیا تھا کیونکہ سارا نے تکلفاً یا رسماً بھی اسے اندر آنے کا نہیں کہا تھا وہ بھی اس بداخلاقی پہ کڑھتا ہوا چپ چاپ واپس چلا گیا تھا

۔۔مجھے بھلا اس ماسی مصیبت کی کیا ضرورت ہے؟ اس نے ناگواری سے اسے تیز قدموں سے چلتے ہوئے گیٹ میں داخل ہوتے دیکھا۔اس کے ریشمی بالوں کی چوٹی کمر پہ ہل رہی تھی۔

☆......☆......☆

آج پہلی رات تھی اس گھر میں ماں کے بغیر۔۔۔ شیداں اسے دیکھ کر جہاں خوش ہوئی وہاں حیران بھی بہت تھی۔ہم تو جی رات دن بیگم صاحبہ کی صحت اور زندگی کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔۔۔ہم دونوں بہن بھائی کا اللہ کے بعد وہ ہی تو سہارا ہیں۔''

وہ جھولی پھیلا کر شگفتہ کے لیے دعا کرنے لگی

انہیں دعاوں کی ہی تو ضرورت ہے خوب دعا کیا کرو ان کے لیے۔کہ وہ اپنے گھر خیریت سے واپس آ جائیں۔۔ہم سب ان کے بغیر آدھے ادھورے ہیں۔'' وہ یہ کہہ کر صوفے پر گر سی گئی۔

'' آپ کی نئی نئی شادی ہے بٹیا۔اگر اسپتال میں نہیں رہنے دیتے تھے تو آپ کو ولید صاحب کے گھر ہونا چاہیے تھا۔ادھر آنا ضروری تھا تو انہیں ساتھ لانا تھا۔۔ہم نوکر لوگ ہیں لیکن ہمارا پل پل اس گھر میں بیگم صاحبہ

کے بغیر بڑی مشکل سے گزر رہا ہے۔۔۔ آپ جو ہر وقت ان کے ساتھ کی عادی ہیں کیسے اکیلی رہیں گی؟" وہ چپ رہی۔۔۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ شیداں کو کیا جواب دے اس بات کا۔

وہ عجیب قسم کی ذہنی کشمکش کا شکار تھی شیداں کا کہنا سچ تھا گھر کا سونا پن اسے کھائے جا رہا تھا شیداں نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور اسکی پسند کا کھانا بنایا۔۔۔ لیکن اس سے کوئی بھی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی۔۔۔ بار بار ہسپتال میں دیکھا ہوا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آرہا تھا۔۔۔ اس کی پیاری ماں کا ہاتھ کسی غیر مرد کے ہاتھ میں تھا۔۔۔ اور وہ مرد اس کی ماں کو اپنی محبت کا یقین دلا رہا تھا۔۔۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیسے یہ سب برداشت کرے۔۔۔ یہ تو "شکر ہے کہ مما نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔۔۔ لیکن ان کا ایک جملہ تو یہ بتا رہا تھا کہ ڈاکٹر ابراہیم سے ان کا کوئی رشتہ بھی ہے۔۔۔ وہ مسلسل یہ ہی سوچ رہی تھی کہ وہ ان کے کیا لگتے ہوں گے؟

شیداں کی پرانی عادت تھی کہ عشاء کی نماز پڑھ کر وہ فوراً سو جاتی تھی۔۔۔ آج بھی نماز پڑھ کر کچھ ٹائم تو شیداں اس کے پاس بیٹھی رہی لیکن نیند سے اسکی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں سو سارا نے اسے کہہ دیا کہ جا کر سو جاؤ۔

۔"بی بی آپ کہیں تو یہیں سو جاؤں آپ کے پاس؟" اس نے یوں پوچھا جیسے کہہ رہی ہو کہیں یہ نہ کہہ دینا کہ میرے پاس سو جاؤ۔

"نہیں شیداں تم جاؤ اپنے کمرے میں مجھ سے ساری رات تمہارے خراٹے نہیں سنے جائیں گے۔" وہ بیزار انداز میں بولی تو شیداں نے بھی جیسے شکر ادا کیا۔

موسم شام سے ہی کچھ عجیب سا ہو رہا تھا۔۔۔ لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ یوں اچانک ہی بارش ہونے لگے گی اور طوفان بھی زور شور سے شروع ہو جائے گا وہ ہمیشہ سے آندھی طوفان سے ڈرتی تھی آسمانی بجلی کی گرج چمک سے بہت خوفزدہ ہو جاتی تھی۔۔۔ ایسے موسم کے آثار دیکھ کر شگفتہ ضروری سے ضروری کام بھی چھوڑ کر گھر واپس آجاتی تھی کیوں کہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ سارا ایسے موسم میں بہت ڈر جاتی ہے۔ وہ اپنے خوف پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑکی بند کرنے لگی تھی کہ اچانک لائٹ چلی گئی اور کمرہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔۔۔ اس نے گھبرا کر موبائل کی لائٹ آن کی اور چوکیدار کا نمبر ملایا کیونکہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کمرے کا

دروازہ توڑ بھی دے تب بھی شیداں نے اٹھنا نہیں تھا۔۔

پہلے پہل تو وہ شیداں کی اتنی گہری نیند پہ حیران ہوتی تھی۔۔لیکن ایک دفعہ ماں نے اسے بتایا تھا کہ شیداں جوانی میں ہی بیوگی کے بعد شدید بے خوابی کا شکار ہوگئی تھی اور شیداں نے ہی انہیں بتایا تھا کہ وہ ان دنوں ساری ساری رات جاگ کر روتی رہتی تھی۔گھر والے بھی اس کے یوں ہر وقت کے رونے دھونے سے تنگ ہوگئے تھے۔تب گاؤں کے اکلوتے حکیم نے اسے چھوٹی چھوٹی گولیاں دی تھیں سونے کے لئے۔۔جن کے استعمال کے بعد بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے تھے وہ سکون سے سو جاتی تھی لیکن پھر یوں ہوا کہ وہ گولیاں ختم ہوئیں تو شیداں نے دو چار دن ناغہ کر دیا تب اس کی حالت بہت بگڑ گئی چیختے چلاتے ہوئے وہ بے ہوش ہوگئی تھی اسرار چاچا اس کا بڑا بھائی تھا وہ شیداں کی اس بیماری سے بہت پریشان ہو کر بالآخر اسے اپنے ساتھ شہر لے آیا تھا۔۔جہاں پر ڈاکٹر نے اس کے کچھ ٹیسٹ کیے اور بتایا کہ اس کے خون میں افیون کے استعمال کے اثرات ملے ہیں یہ انکشاف بجلی بن کر سب پر گرا لیکن حکیم صاحب سے باز پرس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور نہ کوئی علاج ہو سکا کہ وہ اس نشے سے جان چھڑا سکے۔کیونکہ حکیم کے مطابق افیون کی اتنی مقدار نقصان دہ نہیں بلکہ فایدہ مند ہوتی ہے شیداں کا شہر میں بھی بہت علاج ہوتا رہا لیکن اس نے افیون کا استعمال ترک نہ کیا بلکہ مجبوری میں جاری رکھا کیونکہ اس کے بغیر وہ شدید تکلیف میں تڑپتی رہتی ساری ساری رات جلے پاؤں کی بلی کی طرح جب بچ گھر بھر میں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر ہوتے ہی گزر جاتی تھی جبکہ افیون کا نقصان سوائے شیداں کی پرسکون اور گہری نیند کے کچھ نہیں تھا وہ شیداں کے بارے میں سوچتے ہوئے کئی بار فون ملا رہی تھی لیکن بار بار ملانے پر بھی اسرار چاچا فون نہیں اٹھا رہا تھا شاید اس نے بیسویں بار فون ملایا تھا تب وہ جاگا۔

’’اسرار چاچا ماشاء اللہ بہت خوب چوکیداری کرتے ہیں آپ بیسویں فون پہ تو آپ نے فون اٹھایا ہے۔اچھا چھوڑیں یہ بتائیں گے یو پی ایس کیوں سٹارٹ نہیں ہوا سارے گھر میں مکمل اندھیرا ہے۔اور موسم کے حالات بتا رہے ہیں ابھی مزید بارش اور طوفان جاری رہے گا۔‘‘بجلی کی چمک سے خوفزدہ ہو کر آنکھیں بند کر چکی تھی

’’بی بی شاید یو پی ایس کے اندر بارش کا پانی چلا گیا ہے ہوا بہت تیز تھی تبھی بارش اندر برآمدے تک

آ رہی تھی اسی لیے یو پی ایس اور بیٹریاں خراب ہو گئی ہوں ہوگی۔ اور صبح ہی ٹھیک کروا سکوں گا اس وقت تو کوئی مستری یا استاد نہیں ملے گا''

''ایسا کرو تم جلدی سے جنریٹر آن کر لو کہ اس اندھیرے میں تو ہاتھ کو ہاتھ بھی سجھائی نہیں دے رہا اور آپ جانتے بھی ہو اسرار چاچا کہ مجھے ایسے موسم میں بہت ڈر لگتا ہے۔'' اس کی آواز سے خوف جھانک رہا تھا۔

''اوھو بٹیا جنریٹر تو ٹھیک کروانے بھیجا ہوا ہے اب تو اس کا بھی صبح سے پہلے کچھ نہیں ہو سکتا_ آپ ایسا کریں کہ شیداں کو جگا لیں۔ لیکن وہ بد بخت تو افیون کے نشے میں پڑی ہوگی وہ کہاں اٹھے گی؟'' اسرار چاچا بھی پریشان ہو گئے تھے'' چاچا! مما نہیں ہیں تو آپ سب بھی ہر چیز سے بے پرواہ ہو رہے ہیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یو پی ایس یا جنریٹر خراب ہوں اور اسی دن انہیں ٹھیک نہ کروایا گیا ہو۔ ٹھیک ہے میں فجر کو فون کر کے ان کے گھر چلی جاتی ہوں۔''

اسرار چاچا جلدی سے بولا۔'' لیکن بٹیا! فجر بی بی تو گھر والوں کے ساتھ ملتان گئی ہوئی ہیں اور وہ ایک دو دن کے بعد ہی واپس آئیں گی۔

''ملتان میں فجر کی بڑی پھوپھو رہتی تھیں اور وہ لوگ اکثر اوقات ملتان کا چکر لگاتے رہتے تھے

''چلیں میں کوئی ایمرجنسی لائٹ یا شمع وغیرہ ڈھونڈتی ہوں۔۔'' وہ پریشان آواز میں کہہ کر فون بند کر چکی تھی۔ جانتی تھی کہ اسرار چاچا افیون تو نہیں کھاتے لیکن۔۔ ہائی شوگر میں شدید قسم کی بد پرہیزی کی وجہ سے وہ عموماً غنودگی میں ہی رہتے تھے کئی بار سارا نے ماں سے کہا بھی تھا کہ چوکیداری کے لیے کسی اور کو رکھ لیں اب اسرار چاچا چوکیداری کرنے کے قابل نہیں ہیں لیکن ماں نے ہر دفعہ یہی جواب دیا کہ برسوں پرانا نمک خوار ہے۔۔ ساری عمر پوری جوانی ہمارے ساتھ گزار دی ہے اب اس عمر میں اس کو کون رکھے گا؟

''مما آپ بھی میری مان لیتیں تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا'' اس نے جھنجھلا کر شیداں اور اسرار چاچا کے بارے میں سوچ کر ماں کو دل ہی دل میں مخاطب کیا۔

اور سر جھٹکتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگی اسی اثناء میں آسمانی بجلی چمکی اور روشنی کے جھماکے نے اسے متوقع گرج سے ڈرا دیا۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور دونوں کانوں کو زور سے پکڑ کر دبا

لیا۔۔بادلوں کی تیز گرج نے ایسا ڈرایا کہ وہیں زمین پر بیٹھ کر اس نے سر دونوں گھٹنوں میں چھپا لیا اور دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرنے لگی۔ ''یا اللہ۔۔۔اس نے تھر تھر کانپتے آندھی کی آواز سنی ایمبولینس کے ہارن جیسی آواز سے اس کا خوف مزید بڑھ گیا تھا ممانے ایک دفعہ بتایا تھا کہ خدانخواستہ جب بھی کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو اس مصیبت سے نکلنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی نیکیاں یاد کر کے دعا کیا کرو

لیکن وہ اس قدر ڈری ہوئی تھی کہ بہت سوچنے پر بھی اسے اپنی کوئی نیکی یاد نہیں آرہی تھی۔

''اللہ میاں جی۔۔۔پیارے اللہ میاں جی میں نے ایک دفعہ میں اپنی پرانی لپ سٹک اور آئی شیڈ اسرار چاچا کی پوتی کو دیئے تھے۔۔۔۔بے شک وہ دونوں چیزیں ایکسپائر ہو چکی تھیں۔۔لیکن تھا تو بہت اچھا برانڈ۔ اور اسے تو ایکسپائری کا پتہ بھی نہیں تھا وہ کیسی کھل گئی تھی یہ چیزیں لے کر اور۔۔۔میرے پیارے اللہ میاں میرے فیورٹ سینڈلز کی ہیل ٹوٹ گئی تھی تو وہ بھی فجر کی ماسی کو دے دیئے تھے اس نے موچی سے ٹھیک کروالی تھی اور مرمت کے پیسے بھی فجر سے کہہ کر اسے دلوائے تھے'' وہ کیسے اترا اترا کر وہ سینڈل پہنتی تھی یہ اور بات کہ مجھے اچھا نہیں لگتا تھا لیکن میں نے اس سے واپس تو نہیں لیے تھے وہ سینڈل حالانکہ پورے چھ ہزار کے تھے اور ہاں ایک دفعہ بٹ انکل کے گھر کے باہر لوگوں نے اس کتے کو زنجیر سے باندھا ہوا تھا جو میرے ساتھ بہت مانوس تھا میں آتے جاتے اس سے ہیلو ہائے ضرور کرتی تھی۔۔اسی وقت بٹ انکل بندوق لینے اندر گئے تھے سبھی لوگ کہہ رہے تھے کہ وہ اس کتے کو گولی مارتے ہیں وہ بے چارا بہت مسکین سا کتا تھا تبھی میں چپکے سے ہجوم کے بیچ سے نکلی اور کتے کی زنجیر نکال کر اسے بھگا دیا تھا لوگ چیختے چلاتے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔۔سبھی نے مجھے ڈانٹا کہ پاگل کتے کے کاٹنے سے انسان مر جاتا ہے لیکن میں نے تو بے زبان جانور پر رحم کھایا تھا وہ پاگل یونہی تو نہیں ہوا ہوگا نا ہر شخص اسے دھتکارتا تھا اسے کتا کہہ کر بلاتے تھے کسی کو ایک بار بھی کتا کہو تو وہ کیسے خفا ہو کر مرنے مارنے پر اتر آتا ہے وہ بے چارہ تو صرف پاگل ہی ہوا تھا۔''

وہ اندھیرے کمرے میں گھٹنوں میں سر دبائے اپنی بے سروپا نیکیاں جو شاید نیکیاں تھیں ہی نہیں یاد کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی

''چلو فجر کو فون کر کے ٹائم پاس کرتی ہوں۔۔ورنہ خوف کی شدت سے تو میرا دم ہی نکل جائے گا۔۔بجلی

ایک بار پھر بہت زور سے چمکی تھی۔ اس نے جلدی سے موبائل اٹھا کر فجر کا نمبر ڈائل کرنا چاہا۔ تب اک خوفناک انکشاف ہوا کہ اس کے موبائل میں بیلنس ختم ہو چکا تھا میسج بھی نہیں جا سکتا تھا اس کے ساتھ ہی نیٹ کا پیکج بھی ختم تھا اس نے جلدی سے موبائل والوں کو ادھار کا میسج کر کے بیس روپیہ منگوائے اور فجر کا نمبر ملایا دوسری طرف سے فجر نے فون ریسیو تو کر لیا تھا لیکن سفر کی تھکان کی وجہ سے وہ سو رہی تھی نیند میں شاید ہاتھ بڑھا کر فون رسیو کیا تھا سارا ادھر سے ہیلو ہیلو کرتے تھک گئی لیکن اس نے جواب نہ دیا فون شاید اس کے منہ کے قریب ہی تھا کیونکہ چند لمحوں کے بعد ہی سارا نے دوسری طرف سے آتے اس کے ننھے منے سے خراٹے سن لیے تھے شاید گھوڑے گدھے سبھی کچھ بیچ کر سو رہی ہے وہ بڑبڑائی۔

''یا اللہ میری مدد کر میں ساری رات ایسے ہی کانپتے لرزتے کیسے گزار سکتی ہوں؟ یا بجلی آ جائے یا موسم ٹھیک ہو جائے مما تو یوں اچانک آنے سے رہیں مسلسل لائٹ لگی رہنے کی وجہ سے موبایل کا چارج بھی بس ختم ہی ہونے والا تھا وہ خوف کی شدت سے دھیرے دھیرے کانپ رہی تھی بارش کے ساتھ تیز آندھی سے کھڑکیاں بار بار بج رہی تھیں شاید باہر کسی کمرے کی کھڑکی کا شیشہ بھی ٹوٹ گیا تھا کیوں کہ آندھی کے تیز جھونکے کے ساتھ ہی شیشہ ٹوٹنے کے چھناکے کی تیز آواز اس کے کانوں تک پہنچی تھی۔ ''یا اللہ خیر جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو۔''

اب تو اسے محسوس ہو رہا تھا کہ خوف سے اس کے دانت بھی بج رہے ہیں نہ جانے کتنا ہی ٹائم وہ اسی حالت میں بیٹھی رہی آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے نام غرضیکہ جو کچھ بھی زبانی یاد تھا وہ سب مل کر پڑھتی جا رہی تھی کہ اچانک کمرے کے باہر کچھ کھٹ پٹ کی آواز آنے لگی۔۔۔ اس نے بغور سننے کی کوشش کی

''شاید معجزہ ہو گیا ہے کہ شیداں جاگ گئی ہے۔'' مما سچ ہی کہتی تھیں کہ اپنی نیکیاں مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے یاد کرو تو مصیبت ٹل جاتی ہے۔۔ اسے اپنی ننھی منی نیکیوں پر اس وقت بے اختیار پیار آ گیا تھا۔'' کمرے کے دروازے کے نیچے سے ہلکی سی روشنی نظر آنے لگی تو وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی کمرے میں پھیلے گھپ اندھیرے کا سینہ چیرنے کے لیے وہ ہلکی سی روشنی کی لکیر بھی بہت تھی موبائل چونکہ بند ہو گیا تھا اس لیے اندھیرا بہت ہی گہرا لگنے لگا تھا۔ اچانک باہر سے آتے قدموں کی آواز اس کے کمرے کے دروازے پہ آ

کر رک گی اور دروازے پر دستک ہونے لگی اس نے تیزی سے اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھولا تو حیرت کی زیادتی سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں

۔۔لیدر کی لانگ جیکٹ پہنے گیلے بالوں میں سے ایک ہاتھ کی انگلیوں کی مدد سے پانی نکالتا دوسرے ہاتھ میں ٹارچ پکڑے وہ ولید حسن تھا۔

"حد ہی ہوگئی ہے آج تو۔۔۔اس برستی بارش اور گرجتے بادلوں میں تیز آندھی سے ادھر ادھر ڈولتی گاڑی کو دعاؤں سے قابو کرتے ہوئے بمشکل تمام دروازے تک پہنچا اور ایک گھنٹے سے دروازے پہ ہارن پر ہارن مارنے کے علاوہ دروازے پہ دستک بھی دیتا رہا جب کوئی جواب نہ ملا تو اینٹ اٹھا کر گیٹ بجانے لگا اس پاس کے لوگ بھی متوجہ ہو گئے لیکن یہ تمہارے اسرار چاچا نے شاید افیون کھا کر کان بند کیے ہوئے تھے۔" وہ بت بنی ولید حسن کو دیکھ رہی تھی

"اچھا چھوڑو یہ بتائیں ٹھیک تو ہیں نا؟" وہ اس کے کانپتے ہونٹوں اور بجتے دانتوں کے ساتھ ہولے ہولے لرزتے بدن کو دیکھتے ہوئے بھی یہ بے وقوفوں والا سوال کر رہا تھا

"باتیں تو پٹر پٹر کرتی ہیں لڑنے جھگڑنے بلکہ مرنے مارنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہیں اور ڈرتی ایسے موسم سے ہیں جس میں لوگ انجوائے کرتے ہیں۔" وہ اس کی حالت دیکھ کر ہلکے پھلکے انداز میں اسے چھیڑنے لگا تھا۔

"اب اندر تو آنے دو نا۔ ہتو دیوار پھاند کر اترا ہوں پھر گاڑی اندر لایا ہوں لیکن تمہارے چوکیدار چاچا پھر بھی نہیں جاگے شاید بجلی کا پٹرا ترنے سے اٹھ جائیں۔" اس نے دیکھا ولید کے شوز کیچڑ سے گندے ہو رہے تھے لان کا کیچڑ اس کی پینٹ کے پائنچے بھی گندے کر چکا تھا۔ اس نے پینٹ کے پائنچے اوپر کیے ہوئے تھے شوز اور پینٹ کے درمیان نظر آتے اسکے ننگے پاؤں بھی کیچڑ میں لت پت تھے

"اچھا بھلا سکون سے سو رہا تھا کہ شگفتہ آنٹی کی کہی ہوئی وہ بات اچانک یاد آ گئی۔۔کہ بچپن سے سارا کی حالت خراب ہو جاتی ہے جب بھی تیز بارش آندھی آتی ہے یا بادل گرجتے ہیں۔۔۔اب ہر انسان اپنی فطرت سے مجبور ہوتا ہے میں بھی اپنی اسی فطرت سے مجبور ہوں۔۔۔اللہ تعالیٰ نے بہت نرم دل دے رکھا ہے

مجھے۔۔انسانی ہمدردی تو اس دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔۔بہت کوشش کی یہ بات بھولنے کی کہ ایک یتیم لڑکی جس کی ماں بہت بیمار ہیں اور اسپتال کے ایک بستر پر دواؤں کے زیرِ اثر خود سے بھی بے خبر سوئی ہوئی ہیں اور وہ بیٹی جسے ایسے موسم میں وہ سینے سے لگا کر سوتی تھیں وہ بالکل اکیلی ہے۔۔میں یہ بھی جانتا ہوں کہ شیداں اس وقت تو ٹن ہوئی ہوتی ہے۔۔اسرار چاچا کا بھی پتہ تھا کہ وہ بے فکر سو رہے ہوں گے لیکن مجھے یہ اندازہ نہیں تھا۔۔کہ وہ ایسے سوتے ہیں کہ بندہ ہارن دیتا رہے سارا محلہ دروازہ کھٹکھٹاتا رہے اور بندہ غریب دیوار پھاند کر گھر میں اتر بھی آئے تب بھی وہ اٹھیں گے نہیں۔۔یہ کہہ کر دل کو تسلی دی تھی کے آپ کی سہیلی آپ کے گھر کے بالکل ساتھ رہتی ہے۔۔آپ سمجھداری تو نہیں لیکن خوف سے مجبور ہو کر۔۔ضرور اسے بلا لیں گی۔۔لیکن برا ہو میری اس فیس بک آئی ڈی کا کہ جس میں آپ کی یہ دوست صاحبہ بھی ایڈ ہو چکی ہیں۔۔اور ساتھ ہی برا ہو آج کل کے مسافروں کا کہ چار قدم چلتے ہیں اور فیس بک پہ سٹیٹس دے دیتے۔۔۔ہیں ناظم آباد سے گلبرگ کا سفر دعاؤں میں یاد رکھیے گا'' وہ نقل اتارتے لگا

''جیسے کہ دو چار گھنٹوں کا سفر نہ ہو۔۔۔پل صراط کا سفر ہو۔۔۔ شام کو ہی میں نے آپ کی اس دوست کا اسٹیٹس دیکھ لیا تھا جس میں وہ ملتان پہنچنے پر اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی یہ جان کر کہ آپ کی دوست بھی یہاں نہیں اور لازماً اپنی فیملی کے ساتھ ہی گئی ہوئی ہوگی مجھے بہت تشویش ہوئی اور۔میرا ہمدرد دل اور بھی تڑپ اٹھا اور میں اسی وقت اٹھ کر آپ کی طرف آ گیا یہاں آ کر اور آپ کی حالت دیکھ کر اندازہ ہوا ہے کہ میں نے صحیح فیصلہ ہی کیا تھا۔''

وہ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر بنی اسے دیکھ رہی تھی۔۔

''قسم سے کتنا ہی اچھا ہو کہ ایسا موسم سال کے بارہ مہینے رہے۔۔اور یوں آپ کی ہر وقت چلتی ہوئی زبان کو مکمل تالا لگا رہے۔۔۔مجھے لگتا ہے اک یہ ہی طریقہ ہے آپ کو چپ کرانے کا۔'' آخری بات اس نے سارا کو غصہ دلانے کے لیے کی تھی کہ وہ کچھ بول پڑے۔۔

لیکن وہ تو جیسے سننے سمجھنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھی تھی رات کے اس پہر گھپ اندھیرے کے سینے کو چیرتی روشنی کی وجہ وہ شخص بنا ہوا تھا جو اسے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا بارش کے قطرے فرش پہ گرتے ہی اپنی آواز ضرور سناتے تھے وہ بھی آواز سے اندازہ لگاتی کہ بارش تیز ہے یا بہت تیز۔

کیونکہ ہلکی بارش تو گونگی ہوتی صرف پیاسی زمین سے سرگوشیاں کرتی ہے۔ہلکی بارش اور مٹی دونوں کے ملاپ کی کہانی تو سوندھی خوشبو ہی اپنی زبان میں سناتی ہے مگر اسے تو اپنے دل کی دھڑکنیں کوئی کہانی سنا رہی تھیں کوئی انوکھی اور نئی نویلی کہانی اس نے ان سنی کرنی چاہی دھڑکنوں کے گیت تھے یا کسی اور ہی زبان کے ترانے وہ سمجھنے سے قاصر تھی

" اے لڑکی! زندہ تو ہو نا؟ اس نے ڈرنے کی اداکاری کرتے ہوئے اسے کندھے سے پکڑ کر نرمی سے ہلایا۔"شکر ہے یار زندہ ہو اسے اطمینان ہوا" ورنہ تو کھڑے کھڑے مرنا فلموں ڈراموں میں ہی دیکھنا نصیب ہوتا ہے ایسے معجزے ہم گناہگاروں کے سامنے نہیں ہوتے۔"

اس کی مایوسی میں ڈوبی آواز نے بھی سارا کو غصہ نہ دلایا۔اچانک بجلی چمکی اور اگلے ہی لمحے ایک زوردار آواز بادلوں کے گرجنے کی کان کے پردے پھاڑنے لگی اس کے ساکت بدن میں خوف زندگی سے زیادہ تیزی سے پھیل گیا اور وہ اچانک ولید حسن کے کشادہ سینے سے لگ گئی اور دونوں ہاتھوں سے اسے یوں مضبوطی سے پکڑا کہ ولید حسن حیران رہ گیا اس کے ہولے ہولے کانپتے بدن کی گرمی جوانی کی خوشبو سے مل کر اک عجیب سا سرور اس کے تن بدن میں دوڑا گئی دل کی دھڑکنیں پل بھر کے لیے بے ترتیب ہوئیں لیکن ولید نے خود پہ قابو پا ہی لیا تھا۔۔۔ اس نے بے ساختہ ہاتھ اٹھا کر اس کی کمر تھپتھپاتے ہوئے تسلی دینے کی کوشش کی مگر وہ تو اس کے سینے میں گھسی جا رہی تھی۔

"ارے مس سارا۔۔۔ یہ سین بہت پرانا ہو چکا ہے ہر انڈین اور پاکستانی فلم اس سین کے بغیر ادھوری لگتی ہے ۔۔اور سنیں۔۔۔مجھ سے گانے کی امید نہ رکھیں میرا گلا بہت خراب ہے ویسے عموماً ایسے موقعوں پر دوگانا ہی گایا جاتا ہے۔۔لیکن آپ کی آواز بولنے میں اتنی بھدی ہے تو گانے میں تو اور بھی ۔۔۔" اچانک لائٹ آ گئی اور پورا صحن روشن ہو گیا وہ دونوں لاونج میں سارا کے کمرے کے دروازے کے بالکل سامنے کھڑے تھے وہ روشنی کے پھیلتے ہی خوف پہ قابو پا چکی تھی اور اب اپنی بے ساختگی میں کی گئی حرکت پہ شرمندہ سی تیزی سے اس سے الگ ہو گئی تھی۔۔ولید حسن نے بغور دیکھا وہ نظریں جھکائے اس کے روبرو ایسے کھڑی تھی جیسے بنا درخواست دیئے ہفتے بھر سکول سے چھٹیوں کے بعد استاد کے سامنے شاگرد کھڑے ہوتے ہیں شرمندہ اور مسکین سی شکل

بنائے جیسے اپنی غلطی پہ پچھتاوا ہورہا ہو

"چلیں اندر چلتے ہیں۔۔میں اتنی رات کو واپس تو نہیں جا سکتا جانتی ہیں کہ سارا شہر پانی میں ڈوبا ہوا ہے ؟ جیسے آپ میرے کمرے میں بن بلائی مہمان بن کر آئی تھیں ایسے ہی میں آپ کے کمرے میں آ گیا ہوں"

۔۔اس نے سارا کی گھورتی نظروں کے تعاقب میں آنکھیں میچ کر بغور دیکھا تو اس کے گندے جوتوں سے بہت سا کیچڑ قالین پہ لگ گیا تھا ہلکے بادامی رنگ کے قیمتی قالین کا حشر اس سے شاید برداشت نہ ہو سکا تھا اس لیے کمرے سے منسلک واش روم کے دروازے کے ساتھ رکھے بڑے سائز کے جوتے اٹھا کر اس کے سامنے زمین پر رکھ دیے اشارہ تھا کہ کچھ تہذیب سیکھو اور گندے شوز اتار کر باہر رکھو

"وہ خاموشی سے بیڈ پر بیٹھ کر شوز اتارنے لگا

" واہ بڑی تابعدار اور جنتی خاتون ہو آپ۔۔آج کل تو جوتے سیدھے کرنے والی بیگمات۔۔" وہ ایک دم زبان دانتوں تلے دبا کر رکا۔۔۔

"میرا مطلب ہے خواتین بہت کم ہوتی ہیں۔۔۔پل بھر اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ بولا۔

"۔ویسے فلموں میں بندہ سر پہ چوٹ لگنے سے گونگا ہوتا دیکھا ہے یا۔۔۔۔ پھر کوئی خوفناک منظر اپنی دہشت سے دیکھنے والی کی قوت گویائی چھین لیتا ہے لیکن بارش میں نہاتی ہیروئن اور بجلی کی گرج چمک کے ساتھ میٹرنٹی ہوم میں پیدا ہونے والا ہیرو تو سمجھ میں آتے ہیں۔۔لیکن یہ معجزہ پہلی بار دیکھ لیا کہ۔آپ کو بارش اور طوفان نے گونگا کر دیا ہے ؟"

اس پر تو میں پوری ایک کتاب لکھ سکتا ہوں جس کا عنوان ہو گا بارش سے فائدہ اٹھائیں زندگی پر سکون بنائیں۔۔قسم سے شوہروں کے لیے تو عید کا موقع ہو گا جب جب بارش آندھی اور طوفان ہوا کریں گے" وہ بیڈ پر بیٹھے بیٹھے ہی جوتے ہوا میں اچھال کر باہر پھینک چکا تھا۔سارا نے دیکھا اب وہ اس کے بیڈ پہ بڑے بے تکلف انداز میں لیٹ بھی گیا تھا۔اب تو اس کا ضبط جواب دے گیا تھا

"استغفار۔آپ انسان ہیں کہ کوئی مشین آپ کی زبان تو رکتی ہی نہیں جیسے کسی بریک فیل ہونے والی گاڑی کی طرح بس چلتی ہی جا رہی ہے بنا یہ دیکھے کہ اس گاڑی سے رستے میں کیا تباہی ہو رہی ہے۔"

وہ اپنے مخصوص لڑاکا انداز میں کمر پہ ہاتھ رکھے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں موسم کی خرابی ختم ہونے کا وظیفہ پڑھ رہی تھی جس کے اختتام تک بولنا نہیں ہوتا۔۔ اگر بولو تو پھر سے شروع کرنا پڑتا ہے۔ اور آپ جانے کیا سمجھے۔۔۔ بہر حال بہت مہربانی کہ انسانی ہمدردی میں دوڑے چلے آئے۔۔۔ میں واقعی اندھیرے اور موسم سے خوفزدہ تھی۔" اس نے اپنی بزدلی کا اعتراف کیا۔

" لیکن اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی وہ بے فکر نیند کی وادیوں میں کھو چکا تھا عجیب سے انداز میں کھلا ہوے اس کے منہ سے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آنے لگی تھی۔

"اتنی جلدی تو کسی کو سوتے نہیں دیکھا جانے سچ میں سو رہے ہیں یا اداکاری کر رہے ہیں؟"

وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتی اس پہ جھک کر پر تجسس انداز میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ واقعی سچ میں سو رہا ہے کہ ڈرامہ کر رہا ہے سارا کی نظریں غیر ارادی طور پر اس کے چہرے پہ جم سی گئیں تھیں۔ فراخ پیشانی پہ بکھرے بال۔۔۔ کھڑی ناک جس کے نیچے گھنی مونچھوں نے نچلے لب کو بھی چھپا رکھا تھا۔۔ رنگت بھی کھلی کھلی سی تھی ایک بازو سر کے نیچے رکھا ہوا تھا شرٹ کی آستین فولڈ تھی جس سے بازو کے بال نظر آ رہے تھے

"۔۔ مکمل مردانگی کی تصویر ہے یہ شخص۔" اس کے دل نے چپکے سے کہا۔۔ مگر اس نے ان سنی کر دی۔۔۔

اس کے بازو پہ بندھی سٹائلش سی گھڑی بہت قیمتی تھی۔ "بندے کا معیار بہت اونچا لگ رہا ہے۔۔۔ اس نے گھڑی کا برانڈ دیکھ کر متاثر ہوتے ہوئے سوچا۔۔۔ وہ اس پہ جیسے ہی جھکی۔ اچانک ولید حسن نے دونوں آنکھیں کھول کر خود پہ جھکے اس کے روشن چہرے پہ نظریں جما دیں سارا یوں غیر متوقع انداز میں اسے خود کو گھورتا دیکھ کر جلدی سے سیدھی ہو گئی۔۔۔ ولید نے دوبارہ پٹ سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔۔۔ وہ منہ بنا کر اسے دیکھتی رہی پھر کچھ سوچ کر نیچے قالین پہ پڑے دو فلور کشنز کو جوڑا اور لیٹ گئی۔ "ہونہہ نواب صاحب نے میرے بیڈ پر یوں قبضہ جما رکھا ہے جیسے ان کی کمائی سے خریدا گیا ہو۔" اس نے ناگواری سے کہہ کر آنکھیں موندنے کی کوشش کی۔۔۔ باہر اب بھی موسم مہربان نہیں ہوا تھا لیکن اب اسے ڈر نہیں لگ رہا تھا ایک تو روشنی بہت سے خوف

بھگانے کی ماہر ہوتی ہے بلکہ روشنی خوف کی طاقت ور دشمن ہوتی ہے اندھیرا اسے دیکھ کر ہی بھاگ جاتا ہے دوسرا تنہائی۔۔ حدشات اور خوف کا مجمع لگا کر انسان کو مایوسی کے رستے پہ لے کر چلتی رہتی ہے۔۔اسے ولید حسن کی موجودگی میں اک عجیب قسم کے تحفظ کا احساس ہو رہا تھا ایسا تحفظ تو کبھی ماں کی موجودگی میں بھی محسوس نہیں ہوتا تھا جب سے بابا چھوڑ کر گئیے تھے اس کے اندر ایک عجیب سا ڈر بیٹھ گیا تھا وہ اپنے اس ڈر اس خوف کو کوئی نام نہیں دے سکی تھی کہ یہ کس چیز کا ڈر ہے بس اپنی ذات کے اندر ہی کسی گوشے میں اس ڈر کو اک جرم کی طرح چھپائے ہوئے وہ بالکل نارمل انداز میں جی رہی تھی لیکن آج ابھی, اس لمحے, اسے اچانک اس ڈر سے رہائی مل گئی تھی وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی نیند کی وادیوں میں کھونے سے چند لمحے پہلے اس کے بیڈ پر ولید حسن کی قریب ہی پڑے فون کی آواز اسے ڈسٹرب کرنے لگی کوئی مسلسل اس کا نمبر ملا رہا تھا لیکن وہ بے خبر سو رہا تھا بار بار فون بجنے سے تنگ آ کر سارا نے اٹھ کر دیکھا اور کچھ سوچ کر فون رسیو بھی کر لیا سکرین پہ نام اک چمک رہا تھا ڈاکٹر علشبہ اس سے پہلے کہ وہ ہیلو کرتی دوسری طرف سے اک نسوانی آواز سنائی دی۔

"ولید! بس میں جہاز میں بیٹھ چکی ہوں اور چند گھنٹوں میں تمہارے سامنے ہوں گی اور پھر تم دیکھتے جاؤ کہ میں آ کر تمہاری ناپسندیدہ نام نہاد بیوی کو کیسے بھگاتی ہوں تمہاری زندگی سے۔" دوسری طرف سے فون بند ہو چکا تھا وہ ہونق سی شکل لیے کبھی فون کی سکرین کو گھور رہی تھی کبھی بے خبر سوئے ہوئے ولید حسن۔کو۔مگر سماعتوں میں زہر بھرے جملے گونج رہے تھے دیکھتے جاؤ۔میں تمہاری ناپسندیدہ نام نہاد بیوی کو کیسے بھگاتی ہوں تمہاری زندگی سے ؟۔

☆......☆......☆

شگفتہ کی آنکھ درد کی اک تیز لہر سے کھلی تھی۔۔۔اس کا گلہ خشک ہو رہا تھا اور زبان پہ جیسے کانٹے چبھ رہے تھے۔۔"پانی" اس نے بمشکل آواز نکالی۔۔۔بوجھل پلکیں کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اک ہیولہ سا دیکھا جو اسے سہارا دے کر پانی پلا رہا تھا۔

مسلسل ڈرپس لگنے کے بعد بھی اس کے جسم میں خون کی کمی تھی۔جس سے اس کی رنگت بالکل زرد لگ رہی تھی۔

سہارا دے کر اٹھانے والے کے جسم سے اٹھتی مخصوص خوشبو اس نے پہچان لی تھی۔

''ابراہیم'' شگفتہ کے لبوں پہ ایک بار پھر اس کا نام تھا۔

''ہاں میں ہی ہوں۔۔ تمہیں میری خوشبو نے بتا دیا ہے شاید۔۔۔''

وہ اب زبردستی کھولی گئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے بیڈ کے قریب ہی رکھی کرسی پر بیٹھا تھا۔۔ تھکی تھکی سرخ آنکھیں بکھرے بال اور چہرے پہ پریشانی

''بہت بدل گئے ہیں ابراہیم آپ۔۔۔کبھی۔ایسے تو نہ تھے۔''

وہ ہنسنے لگا۔''کاش کہ بدل جانا میرے بس میں ہوتا۔۔۔اتنی لمبی سزا خود کو تو نہ دیتا۔''

وہ ان سنی کر کے بات بدل گئی۔

''سب کیسے ہیں؟

''کون سب؟''

''تائی جان کیسی ہیں؟اور۔۔۔ اور۔۔۔مومل ٹھیک ہے نا؟وہ نحیف سی آواز میں پوچھ رہی تھی

''ماں مجھے اور مومل کو اکیلا چھوڑ کر چلی گئیں۔۔۔بہت تکلیف میں تھیں۔۔۔اتنی تکلیف دہ زندگی ہو گئی تھی ان کی۔۔۔کہ ہم اولاد ہو کر بھی ان کی تکلیف سے ان کے لیے نجات مانگتے تھے۔۔۔یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس موذی مرض سے نجات انہیں موت ہی دے سکتی ہے۔اور جب وہ فوت ہوئیں تو ہم بہن بھائی بہت دکھی تھے لیکن ہمارے دلوں میں اندر ہی اندر کہیں اک اطمینان اک سکون اور احساس بھی جاگزیں تھا کہ چلو اماں کو اس درد اس اذیت سے نجات تو مل گئی ہے۔۔۔جو ان کے لیے ناقابل برداشت حد تک اذیت ناک تھا۔۔۔تمہیں آخری دنوں میں بہت یاد کرتی تھیں۔۔۔بار بار کہتیں شگو کو بلاؤ۔۔۔میں نے اس سے معافی مانگنی ہے۔۔۔ اس کا سب کچھ تو چھین لیا میں نے۔۔۔وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن نہ جانے کون سا ڈر تھا جو انہیں روک دیتا تھا وہ کچھ کہتے کہتے رک جاتیں تھیں لیکن ان کی آنکھوں میں لکھا ہوتا ہے کہ وہ کوئی بوجھ دل پہ اٹھائے ہوئے ہیں۔''وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھتے ہوئے دکھی انداز میں اسے ماں کی موت کا احوال سنا رہا تھا۔۔۔

''بہت افسوس ہوا کہ وہ نہیں رہیں اور۔۔شاید اب میں اپنی قسم سے بھی آزاد ہو گئی ہوں۔۔۔انہوں نے کہا

تھا۔ ''تمہیں ابراہیم کی قسم میرے جیتے جی اس کے سامنے بھی نہ آنا۔۔۔اور۔۔۔۔اور جب میں نے کہا کہ تائی جی۔۔۔اگر ہم اتفاق سے ایک دوسرے کے روبرو آگیے تو میں کیا کروں گی؟ تب انہوں نے کہا تھا

''تو اتنے اچھے نصیب لے کر دنیا میں نہیں آئی کہ خوشی تمہیں ڈھونڈتے ہوئے تمہارے تعاقب میں چلتی ہوئی تمہارے رستے میں تمہیں کھڑی ہوئی ملے''

۔۔۔سو ایسا ہی ہوا۔۔۔میں معجزوں پہ ایمان رکھتی تھی لیکن معجزے گناہ گاروں کے لیے نہیں ہوتے۔۔ معجزے تو نیک اور پارسا لوگوں کی زندگی میں خوشی بن کر آتے ہیں۔'' وہ مسلسل بولنے سے تھک سی گئی تھی۔

ابراہیم کی آنکھوں میں پھیلتی دھند دیکھ کر وہ ایک بار پھر بات بدلنے لگی۔

''موبل اپنے گھر میں خوش تو ہے نا؟'' اس کے انداز میں اشتیاق تھا۔

''ہاں اس کے سسرال والے بہت اچھے ہیں۔۔اور شوہر بھی بہت شریف اور سادہ انسان ہیں۔۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اولاد کی نعمت سے نہیں نوازا۔۔اور یہ کمی بہت محسوس ہوتی ہے اسے۔''

اولاد؟۔۔۔اس نے جیسے کسی فیصلے پہ پہنچ کر کہا۔

''آپ نہیں جانتے۔۔۔لیکن۔۔اللہ تعالیٰ نے تو اولاد دی تھی انہیں۔۔۔لیکن۔۔۔لیکن۔۔۔ان کی ماں نے ان سے چھین لی تھی۔''

وہ مکمل ہوش وحواس میں تھی ابراہیم حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

تم شاید ہوش میں نہیں ہو شگفتہ!

انہیں اب اس کی دماغی حالت پہ شک گزرا۔

''بہت بڑا بوجھ ہے میری روح پر بھی ابراہیم! کیا تمہیں میری آنکھیں اس بوجھ کی کہانی اس بوجھ کی تکلیف نہیں بتا رہیں؟ ابراہیم۔۔۔۔میں اس بوجھل روح کے ساتھ اب مزید جی نہیں پاؤں گی۔۔اور نہ میں یہ بوجھ لے کر مرنا چاہتی ہوں۔۔اب کیا قبر میں بھی اس بوجھ کی گٹھری ساتھ لے جاؤں؟''

شگفتہ کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔

''میں تو یہ کہتا رہا ہمیشہ کہ اپنے سارے درد اپنے سارے دکھ مجھے دے کر ہلکی پھلکی ہو جاؤ۔۔لیکن۔۔۔

تم نے تو مجھے پل بھر میں اجنبی کر دیا تھا۔۔۔یاد ہے نا؟ جب مجھے سزائے موت سنائی تھی۔۔۔اپیل کا حق بھی نہ دیا مجھے اور اس کال کوٹھری میں مجھے اکیلا چھوڑ گئیں اس کال کوٹھری کو میں زندگی کہتا ہوں۔۔۔۔۔۔

میں بالکل اکیلا رات دن جلاد کے قدموں کی آہٹ کا منتظر رہتا۔۔۔ جدائی جلاد ہی تو ہوتی ہے۔۔۔نہ اپنے خوف سے مکمل زندہ رہنے دیتی ہے۔۔۔نہ قریب آ کر مکمل مارتی ہے بس دور کھڑی ڈراتی رہتی ہے۔۔۔"

وہ بھی شکوہ کناں تھا۔

"آپ کو کچھ پتہ نہیں ابراہیم۔۔۔کہ اس وقت مجھ پر کیا بیتی تھی۔۔۔تائی جان نے میرے ساتھ بہت برا کیا۔۔۔میرے پر کاٹ کر کہا کہ جا اڑ جا۔۔۔

میں حسرت بھری نظروں سے کھلے آسمان کو تکتی رہتی لیکن میرے پر نہیں تھے۔۔۔مجھے زمین پہ ہی رہنا تھا لیکن پرواز کے خوابوں کا کیا کرتی وہ تو آنکھوں کا اثاثہ تھے۔۔۔وہ نہ رہے۔۔۔میں بھی نہ رہی۔۔۔آنکھیں بھی نہ رہیں۔"

وہ انگلیوں کی پوروں میں آنسوؤں کے قطرے سمیٹتے ہوئے بولی۔

تو ابراہیم نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔"کیوں تڑپا رہی ہو۔۔۔مجھے سب بتا دو شگو!۔۔۔میرے ذہن میں بہت سے سوال ہیں جن کے جواب میں برسوں سے ڈھونڈ رہا ہوں لیکن مجھے جواب نہیں مل رہا۔۔۔تمہارے سوا ان سوالوں کا جواب کوئی نہیں دے سکے گا۔"

وہ منت بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"پوچھیں کیا پوچھنا ہے۔"

وہ سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

"سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ عین اس وقت کیوں مجھے چھوڑ کر عزیز کا ہاتھ تھام لیا جب ہماری شادی ہونے والی تھی۔"

اس سوال پہ وہ ہنسنے لگی۔۔۔ اتنی ہنسی کہ اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔

شادی؟۔۔۔آپ کی اور میری شادی۔۔۔کبھی نہ ہوتی۔۔کیونکہ۔۔۔۔تائی جان نے ہونے نہیں دینی تھی۔۔۔آپ کی ضد۔۔۔گھر چھوڑنے کی دھمکی اور مستقل مزاجی سے۔۔۔ہار کر انہوں نے ہماری منگنی تو کر دی تھی۔۔۔۔لیکن وہ اس منگنی کے بعد منہ پہ ہاتھ مار کر کہہ چکی تھیں کہ میں تمہارے دل میں بسا ابراہیم کے ساتھ کا ارمان حسرت میں بدل دوں گی۔۔۔اور۔۔۔اور اگر تم میری بہو بن گئیں تو میں زہر کھا کر خود مر جاؤں گی۔۔یا زہر دے کر تمہیں مار دوں گی۔۔۔اور آپ سے زیادہ کون جانے گا کہ وہ جو کہتی تھیں وہ کرتی بھی تھیں۔"

وہ سیدھی لیٹی کمرے کی چھت پہ لگے پنکھے کو گھورے جا رہی تھی۔

"پوری بات بتاؤ نا۔۔۔ایسا کیا ہوا تھا کہ تم مجھے چھوڑ گئیں؟

ابراہیم نے ایک بار پھر پوچھا تو وہ پنکھے پہ جمی نظریں ہٹا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولی۔

"ہمت ہے آپ میں سچ سننے کی؟۔۔۔تو سنیں۔"

وہ بول رہی تھی اور ابراہیم کے سر پہ آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔